محمد علی شاہ میکشؒ اکبرآبادی

میوہ کٹرہ، آگرہ

قال اللہ تعالیٰ

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃٍ من طین

اور تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو بجنی مٹی سے

[ترجمہ: شاہ رفیع الدین محدث دہلوی)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

(غالبؔ)

نغمہ اور اسلام

اسلام کے پُر فضا چمنستان میں ''بارشِ ترنم''

''دعائے میکشؔ کا پر کیف اثر''

جس کے چند قطرے قرطاس کے ساغرِ بلوریں میں طرب افزا حواس ہیں

احقر العباد محمد علی شاہ میکشؔ

میوہ کٹرہ، آگرہ

مصنف : محمد علی شاہ میکش

نام کتاب : نغمہ اور اسلام

سالِ اشاعت : 2011

تعداد : 500

قیمت : 20 روپے

طباعت : نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی

معذرت

یہ تصنیف میرے علم وارادے کی پہلی نمائش ہے، جسے میں آزادی اور استغنا کے دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے کارگاہِ علم وادب اور بارگاہِ نقد ونظر میں بغیر بیم و رجائے ردوقبول حاضر ہوا ہوں، تاہم میری وارفتہ مزاجی اور آزاد خیالی ابھی تک مانع عذر ونیاز نہیں ہے۔

تحصیل علم سے فارغ ہوئے پورے تین سال گذر چکے ہیں اور میری عمر کا تیئیسواں سال ابھی نصف بھی ختم نہیں ہوا ہے کہ جسمانی اور دماغی امراض اور فطری توحشات ''ترقی علم اور ارتقاءِ نظری'' کی شاہراہوں کو تاریک کرتے جاتے ہیں ؎

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

تحقیق وتحصیل نے اس طوفانِ تاریک میں فنا ہوتے ہوئے اپنی یادگار قائم کرنے کی ایک آخری وصیت مایوسانہ لہجے میں مجھ سے کی، اور میں نے اس کی تعمیل میں مہینہ بھر کی مختلف فرصتوں میں اس رسالے کو مسودے کی صورت میں مرتب کرلیا۔

ضعفِ توجہ سے میں اس پر ایسی نظر نہیں ڈال سکا جو نظرِ ثانی کہی جاسکتی اور میں تحریر کی اس تشنگی کو خود محسوس کررہا ہوں کہ اس کے بعض صفحات باعتبارِ ادبیت خواہانِ

رفعت ہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس میں ایسی ادبی فروگذاشتیں ہوں جن کو میری سرسری نظر محسوس نہ کرسکی ہو۔ ''تمہید'' کے بعد کے صفحاتِ معدودہ اپنے مضامین اور معنویت کے لحاظ سے میری وارفتگی کے شاہد ہیں۔

خواہ یہ درست ہو کہ ان صفحات کی بعض عبارتیں بظاہر موضوعِ کتاب سے مختلف ہیں، لیکن میں اپنے مزاج اور رنگ طبیعت سے معذور ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ طباعت کے دَور ثانی میں موجودہ کمزوریاں رفع ہو جائیں گی۔

گر بمانیم زِندہ بر دو زیم   جامۂ کز فراق چاک شدہ
در نہ مانیم عذر ما بپذیر   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میکشؔ عفی عنہ

یا کل الکل

انت محمود فی کل شان، ومعبود فی کل مکان، ومذکور علی کل لسان، ومعروف لکل احسان، وجود العالم قطرة من بحارِ جودک، وعالم الوجود لمعة من انوار شهودک، احتجابک بنورک، واختفاؤک لشدة ظهورک.

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　　لا ملک سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارة و انت المعنی　　　یامن هو للقلوب مقناطیس

فلک الحمد حمداً طیبا مبارکا من الازل الی الابد، بل لا الی امد، فوق حمد الحامدین واضعاف تحمید اصناف الموحدین الخارج من الحصر والعد، اللهم صل وسلم وبارک علی المظهر الاتم الحقیقة الجامعة، بین المبدئیة والخاتمیة، الواسطة بین الحدوث والسرمدیة، محمد المصطفی، احمد المجتبیٰ، بعدد معلوماتک، ورحمتک وکلماتک، مااختلف الملوان، ومادار النیران، وما استصحب الفرقدان، وعلی آله واهلبیته الطاهرین، واصحابه المکرمین، وأولیاء امته الی مرشدنا اجمعین.

تمہید

اوّل تو آج کل خود ہی دنیا پر کفر وفسق کی ظلمتیں برسات کے بادلوں کی طرح چھائی ہوئی ہیں اور آزادی کا خیال، ترک شرائع کی صورت میں نئی روشنی کے ساتھ ساتھ پھیلتا جاتا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ وہ بعض لوگ جو اس ہوا سے محفوظ ہیں اور فرائض کو فرائض، واجبات کو واجبات مانتے ہیں۔توحید ورسالت کے قائل اور اصول میں متحد الخیال ہیں، مگر بعض فروعات میں دوسرے فرقوں سے کچھ اختلافات رکھتے ہیں، ان کو ہمارے بعض متعصب علماء دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور اس کو شاید اپنے خیال میں تنازع للبقا سمجھتے ہیں۔پُرانی چال کے قابلوں میں سب سے زیادہ قابل اور لائق تعظیم وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو ایک ایسے گروہ کا قائد اور سرپنچ ہو جس نے اپنی مخالف پارٹی کو بزور زبان وقلم، کافر ثابت کر دیا ہو۔اس گروہ کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مخالفین کو کافر وفاسق بنا کے صفحہ ہستی سے نابود یا کم سے کم ذلیل وخوار کردے، جس کے بعد باوجود حکم ''لا تفسدوا فی الارض'' وہ اپنے آپ کو مستحق ثواب اور اپنی ہر خطا کو خطائے اجتہادی ہی سمجھتے ہیں۔

مگر حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جس نے توحید ورسالت کا سچے دل اور زبان سے

اقرار کیا، حق اور اہلِ حق کی تنقیص مرتبت نہ کی، اس کو کبھی کافر نہیں کہہ سکتے۔

وہ بزرگ جو ذراسی خفگی میں مسلمانوں کو کافر فرمادیا کرتے ہیں کان کھول کر سُن لیں کہ اللہ تعالیٰ اُن اہل کتاب سے بھی بخشش کا وعدہ فرماتا ہے، جو توحید اور حضور کی رسالت کے قائل ہیں۔

وان من أهل الكتاب من يؤمن باللّٰه وما انزل اليكم وما انزل اليهم خٰشعين للّٰه لا يشترون بآيات اللّٰه ثمنا قليلا أولئك لهم أجرهم عندربهم (آخر آل عمران)

ترجمہ: بعض اہل کتاب وہ ہیں، جو اللہ پر اور جو کچھ تم پر اور ان پر اُترا ہے ایمان لاتے ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ تھوڑی سی قیمت میں اللہ کی آیتوں کو نہیں بیچتے، وہ لوگ وہ ہیں جن کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے۔ (میکش عفی عنہ)

فروعات کے اختلافات سے کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا اور اگر وہ اختلاف بر بنائے تحقیق ہو تو عند اللہ مواخذہ بھی خلافِ عقل وقیاس ہے۔

اسلام کے بے شمار فرقے ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، مگر یہ کوئی فرقہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے سوا سب فرقے کافر ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، فروعات کے اختلاف سے کافر یا فاسق کہے جانے کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ خود اہلِ سنت والجماعت میں باہم کس قدر مسائل میں اختلاف ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نماز جو اسلام کا رکن اعظم ہے اس کی صورت وہیئت میں کس قدر اختلاف ہے، اسی طرح اور بے شمار مسائل ہیں جو حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں، حنبلیوں میں مختلف فیہ ہیں۔ پھر بھی ایک فریق دوسرے

فریق کی تحقیقات کو غلط نہیں کہتا، حالانکہ اجتماع نقیضین محال ہے۔سبب یہ ہے کہ تمام احادیث جن سے احکام کا استخراج ہوتا ہے، بہ استثنائے بعض، خبر آحاد کہلاتی ہیں جو مفید ظن کی ہوتی ہیں نہ یقین کی ''ان الظن لا یغنی من الحق شیئا'' آیت قرآنی ہے۔پس ان اختلافات ظنی کا اثر ایمان وکفر پر نہیں ہوسکتا، جو یقینی امور ہیں۔ مفصل بیان آگے ہوگا۔

منجملہ اور مسائل کے ایک مسئلہ سماع بھی مختلف فیہ ہے، یعنی گانا اور ساز سُننا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔مگر یہ مسئلہ اس قدر اہم نہیں جتنا اس کے حرام سمجھنے والوں نے بنا دیا ہے۔چنانچہ فقہ کی اکثر کتابیں اس کے ذکر سے خالی ہیں، بہ استثنائے کتب فتاویٰ اور خود اختلاف اس کا شاہد ہے کہ سماع حرام قطعی نہیں، ورنہ اس کے حلال سمجھنے والے قاعدہ کے موافق کافر ہوتے۔اس لیے کہ حرام کا حلال سمجھنے والا علماء اہل سنت کے اصول وعقائد کے مطابق کافر ہے۔حالانکہ متقدمین علماء جو سماع کو حرام سمجھتے تھے اس کے حلال سمجھنے والوں کو کافر نہیں لکھتے۔حلت وحرمت کے بیان سے قبل ایک دلچسپ بات قابلِ تذکرہ یہ ہے کہ آج کل علما جب کسی سے بحث کرتے ہیں تو سماع کے خلاف ایسے دلائل لاتے ہیں، جن سے بغیر ساز کے بھی گانا سُننا ناجائز ثابت ہوتا ہے (اگرچہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے) حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آج کل ایک عالم بھی ایسا نہیں ہے جو عملی طور پر اس کا قائل ہو۔

مشاہدہ شاہد ہے کہ بعض ہی محفلیں پند و وعظ اور میلادِ مبارک کی ایسی ہوتی ہیں، جن میں اشعار، الحان وترنم سے نہیں پڑھے جاتے نہ صرف ہندوستان اور حرمین شریفین میں بلکہ تمام دنیائے اسلام میں اس کے خلاف عمل درآمد نہیں (اس وقت

صرف گانے کا ذکر ہے مضمون سے بحث نہیں ہے)۔

یہ کج بحثی دیکھ کر اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ساز کے جواز کے ساتھ سماع محضہ کے جواز کے دلائل بھی عرض کر دیے جائیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ بغیر ساز کے گانے کی رسم کسی زمانے میں نہیں تھی، نہ کوئی اس کے خلاف ثابت کر سکتا ہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی گانا بے ساز کے نہیں ہوتا تھا اگر چہ وہ ساز دف ہی کیوں نہ ہو۔ بغیر ساز کے گانا آج کل کے بعض مشائخ اور علما کی ایجاد ہے۔ یہ ترقی معکوس قابلِ داد ہے اور وہ بھی معذور ہیں، دوسروں کے زیر دست اور محتاج رہنا شانِ علم و ہمہ دانی کے خلاف ہے، ناجائز نہ ہوتو گذر کیونکر ہو اور پھر اختلاف اور ٹھوک بندی بھی تو نمود اور گرم بازاری کا سبب ہے۔

فاضل بریلوی (احمد رضا خاں صاحب) اور علمائے دیوبند کے اختلاف اور ایک دوسرے کو کافر کہنے سے زمانۂ حال کی دنیائے علما میں جو عبرتناک مثال قائم ہو چکی ہے وہ قابلِ بیان نہیں۔ پھر ہم جیسے نادان کس شمار میں ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک فتویٰ تکفیر، سندِ قابلیت کا حکم رکھتا ہے۔ پھر بھی ان مقدس حضرات کی خدمت میں جو میری اس تحریر پر فتویٰ لکھنے کے شائق ہوں، اتنا عرض ہے کہ ایک دفعہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی کتاب احیاء علوم الدین میں کتاب السماع والوجد کا ضرور مطالعہ فرما لیں۔

ان بعض جدید مدعیان تصوف کی خدمت بھی نہایت ادب سے عرض ہے، جو اہل سماع پر لعن طعن فرمایا کرتے ہیں کہ وہ احیاء علوم الدین کو اس نظر سے ملاحظہ فرمائیں کہ وہ سلسلۂ خاندان نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت امام غزالیؒ کی تصنیف

ہے، جو حضرت ابوعلی فارمدیؒ کے مرید تھے، ملاحظہ ہو نفحات الانس مصنفہ ملا جامی علیہ الرحمۃ۔

اس وقت نغائم الاشواق مصنفہ حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا، جس کے فاضل مصنف نے سماع و وجد کو معہ تمام متعلقات کے نہایت تحقیق سے ثابت کیا ہے، حقیقتاً احیاء علوم الدین اور نغائم الاشواق اس مسئلہ کی تحقیق میں نہایت جامع و مانع کتابیں ہیں اس رسالے میں جہاں گانے کے متعلق شرعی بحث کی گئی ہے وہاں میں نے نغائم الاشواق اور احیاء علوم الدین سے اکثر مقاموں میں استفادہ کیا ہے۔

اس رسالے کی تحریر سے یہ مقصود ہے کہ گانے کے مسئلہ میں جو اشتباہ واقع ہوگئے ہیں وہ رفع ہو جائیں۔ نہ گانے کو ایسا حرم سمجھ لیا جائے جس کے سبب سے صوفیہ اور اہل اللہ کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت ہو اور نہ اس کو حلال سمجھ کر ایک پاک اور لطیف چیز کے ذریعہ نفسانی خواہشات کو پورا کیا جائے۔ وھو الموفق والمستعان وعلیہ التکلان۔

محمد علی جعفری قادری نیازی عفی عنہ

آگرہ میوہ کٹرہ

دوشنبہ ۳۰ / جون ۱۹۲۴ء

ھو المغنی

عشق بے قرار نے حسن کی خاموش محفل میں نغمہ ہائے شوق بلند کیے۔ 'حُسن' خوابِ ناز سے بیدار ہوا اور عشق کو چشم نیم باز سے دیکھا کہ جلووں کی طلب میں مضطرب ہے۔ 'نازش' نے تجلّی کی اور 'حُسن' کی نرگس نیم خواب سے غمزے پھوٹ نکلے۔ زیرِ لب مسکرایا اور متبسم لبوں سے ایک مختصر لفظ "کُن" کہا اور ایک طویل داستانِ سوز کی بنا ڈالی۔

فضا گونجی، خلا مترنم ہوئی اور 'موجودات' جو خوابِ غریق میں تھی مست ہو کر اُٹھی اور رقص کرتی ہوئی محفلِ ظہور میں آ گئی۔

ہوگئی مستِ فضا روح ہوا میں دوڑی
موج ہے قلزمِ مے کی تری آواز نہیں

ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھا قالتا اتینا طائعین[1]۔

پس اب موجودات کیا ہے؟ ایک دنیائے موسیقی، جس کی تلاطم خیز آوازیں

---

[1] (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا، پس اس سے اور زمین سے کہا کہ حاضر ہو خوشی سے یا بہ جبر تو دونوں نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر ہیں۔

مغنیۂ عشق کے نغمہائے کیف ہیں اور جس کی حرکات رقاصۂ حسن کے غمزہ ہائے مست
وللہ یسجد من فی السماوات والارض [1]۔

سمندر کا شور، ہوا کا ترنم، آسمان کی حرکت، زمین کا سکونِ محسوس، سازِ ازل کا زیر و بم ہے اور قلزمِ عشوہ کا مد و جزر۔

زمین کا ہر ذرہ ایک مست رقاصہ ہے اور سمندر کا ہر قطرہ ایک سرشار مطربہ
روحانیت کیا ہیں؟ مغنیۂ قدرت کا ایک نغمۂ لطیف، قل الروح من امر ربی [2]۔

مادیات کیا ہیں؟

رقاصۂ فطرت کا ایک وجدِ مرتعش۔ ہیولی، نغمہ ہے اور صورت نے، بسائط سُر ہیں اور مرکبات، گتیں، انسان ایک مضطرب نغمہ ایک بھاری راگنی اور خوبصورت گیت ہے۔

نبض کی جست، تنفس کی چال، دل کی دھڑکن، افعال و حرکات، فعل و انفعال، جذبات و محسوسات، لطیف راگ ہیں اور پُر کیف ترانے، موسم کی متحرک شوخیاں، مناظر کی پُر کیف دلکشیاں، ہوا کی لطیف اور پاک موجیں، مہر و ماہ کی مخمور و سرشار کرنیں، نغمے کی ازلی چشمے کی لہریں ہیں اور موسیقی کی سرمدی ہواؤں کا ترنم۔ الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السماوات والارض والطیر صٰفّٰت [3]۔

---

[1] زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ (سجدۃ)

[2] کہدو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) روح میرے رب کا حکم۔ (میکش عفی عنہ)

[3] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور پرند صف بستہ۔

پس جو کچھ ہے ایک آواز ہے اور ایک نغمہ جس کی اصل نغمۂ ازل (کن) ہے اور آخر یہ تمام نغمات اس ایک سرمدی آواز میں محو ہو جائیں گے جو بصورت آواز ظاہر ہو گی۔

سازِ ازل ہر وقت ایک نیا راگ چھیڑتا ہے اور موجودات کا ہر فرد اُس کے پر سوز نغمے کے اُتار کے ساتھ ڈوب جاتا ہے۔ "کل شیئ ھالک الا وجھه"[1] اور تجددِ امثال کے طور پر ہر ترنم کے چڑھاؤ میں موجود اور ظاہر ہو جاتا ہے "بل ھم فی لبس من خلق جدید"[2]۔

پس ہوشیار ہو کر ان محدود نغموں کے ساتھ ساتھ ازلی نغموں میں غرق اور بے خبر ہو جاؤ۔

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

نغمہ کیا ہے؟

عالمِ امر کی ہوائے بہار اور عالم خلق کا گلشنِ بے خار، وہ شرابِ مترنم ہے اور حسن گویا۔ مضرابِ سوز ہے اور سازِ عشق روح محسوس ہے اور جاذبِ روح۔ جمع کنندۂ حواس ہے اور منتشر کنندۂ جذبات۔ کیفیات کی آندھی اور محسوسات کا طوفان ہے۔ عالمِ قدس کی ایک نامتناہی قوت ہے، جس کے زیرِ اثر موجودات کا ہر فرد ہے۔ عالمِ تنزیہہ کا ایک ترانۂ مسلسل ہے، جس کی لے پر موجودات کا ہر ذرہ رقصاں ہے۔

---

[1] سوائے خدا کے ہر چیز ہلاک ہے۔ [2] بلکہ وہ خلقِ جدید کی بابت شک میں ہیں۔

رقص وغمزہ کیا ہے؟

ایک زلزلۂ خاموش اور خاموشی گویا، نازش ذاتی ہے اور نازِ فطرت، صورت نغمہ ہے اور تصویرِ روح، بیان روح ہے اور زبانِ حسن، ترنمِ عقل ہے اور ترانہ عشق، روحانیات کو بزم وصل ہے اور اشارۂ رجوع الی الاصل، ساز ناز ہے اور آواز راز۔ روح مادہ ہے اور مادہ روح۔ وہ کیفیات کی شراب لطیف ہے جس کے نشہ سے جذبات مدہوش وسرشار ہیں۔ وہ وجدانیات کا ایک نا متناہی سمندر ہے جس میں ملنے کے لیے روحانیات ولطائف موجوں کی طرح بے قرار ہیں۔

مقصود اور حاصل اس سے سرور ہے اور بیخودی، حیرت ہے اور مدہوشی۔ شوق ہے اور اضطراب، جذبِ روح ہے اور فنائے مادیت، اپنے اصول کی طرف رجوع ہے اور تکمیل جذبات، بقائے دوام ہے اور انجام فنائے مدام۔

آپ پر مٹنا تھا بس اور مقتضائے دل نہ تھا
تھا تماشائے فنا ہنگامۂ محفل نہ تھا

(میکشؔ)

حکما اور فلاسفہ کی رائے ہے کہ عشق دو قسم کا ہے۔ شہوانی اور روحانی۔ عشق شہوانی کا نشوونما افراطِ شہوت سے ہے اور یہ مرضوں میں سب سے زیادہ مہلک ہے۔ عشق روحانی کا مبداء تناسب روحانی ہے اور وہ روح کی لطافت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ عشق روحانی فضیلت ہے رذیلت نہیں ہے۔

دو چیزیں جب ایک جنس کی ہوتی ہیں تو آپس میں ضم ہونے اور ملنے کی خواہش

رکھتی ہیں اس لیے لطیف طبیعتوں کی خواہش اور میلان نفیس صورتوں اور اچھی چیزوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ حکما کی تحقیق ہے کہ انسان کے مزاج میں اعتدال جس قدر لطیف ہوگا اسی قدر اس کا میلان اچھی صورتوں، لطیف نغموں اور نیک سعادتوں کی طرف زیادہ ہوگا اس لیے کہ یہ سب نہال ایک ہی چشمے سے سیراب ہوتے ہیں اور اس صورت میں اتحاد کی خواہش ضرور ہوگی اسی کا نام محبت ہے اور یہ شریف نسبتیں یعنی اعتدال مزاج اور حسن وغیرہ جب دو مظہروں اور دو انسانوں میں ظاہر ہوں گی تو لازمی طور پر ایک میں کم ہوں گی اور دوسرے میں زیادہ اس لیے کہ استعدادوں اور قابلیتوں میں باہم اختلاف ہے۔ عاشقی اس طرف سے ظاہر ہوتی ہے جس طرف یہ نسبتیں کم ہوں اور معشوقیت اُس طرف سے جلوہ گر ہوتی ہے جس طرف یہ اوصاف زیادہ ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ کم اور کمزور چیز کو زیادہ اور طاقتور چیز اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے، جس کی تفصیل تنازع للبقا کے مسئلہ سے ظاہر ہے۔ اسی لیے عاشقی فنا چاہتی ہے اور معشوقیت بقا۔

رہیں جہاں میں جو بزمِ جہاں کی رونق ہیں
ہماری کیا ہے کوئی دم رہے رہے نہ رہے

علامہ جلال الدین دوانی فرماتے ہیں کہ عشق روحانی حکمائے الٰہیین اور صوفیہ کا شعار ہے اس عشق سے نفس میں لطافت اور روح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ جس وقت عشق کا خورشید جہاں افروز بحکم ''وأشرقت الارض بنور ربها'' (زمین خدا کے نور سے روشن کی گئی ہے) روح انسانی اُفق سے طلوع ہوتا ہے تو طبیعت کی کثافتیں مغرب عدم میں غروب ہو جاتی ہیں اسی سبب سے حکما نے کہا ہے کہ تین چیزیں جودتِ

ذہن اور لطافتِ نفس کا سبب ہیں۔ عشق عفیف، فکر لطیف، سماع وعظ از قائلے ذکی و شریف۔ حدیث شریف میں ہے ''من عشق وعف و کتم ومات ، مات شهيـــدا '' جو عاشق ہوا اور پاک باعفت رہا اور عشق کو پوشیدہ رکھا اور اس حالت میں مرگیا تو وہ شہید ہے)۔

عشق عصیان ست اگر مستور نیست

کشتۂ جرمِ زباں مغفور نیست

(نظیری)

دوسری حدیث ہے ''ان اللہ جمیلٌ ویحب الجمال '' (خدا جمیل ہے اور محبِّ جمال)۔ حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''من استأنس باللہ استأنس بکل شیئ ملیح ووجه صبیح '' (جو خدا سے مانوس ہے، وہ ہر دلکش چیز اور ہر دلربا صورت سے مانوس ہے) بحکم حکم الاصول یسری فی الفروع (جو اصل کا حکم ہے وہی فرع کا حکم ہے)۔

ازلی محبت کا راز ہر شے میں پوشیدہ ہے اور سرمدی عشق کا پرتو اور عکس ہر ذرہ کے آئینہ میں نمودار ہے۔ عشق ازل سے اس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہے: ''کنت کنزا مخفیا فاحببت ان أعرف فخلقت الخلق '' (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جب مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا) اس محبت کا پرتو اور عکس ہے کہ عناصر میں میل طبعی کی صورت میں ظاہر ہے اور نباتات میں مبدءِ نشوونما ہے۔ حیوانات میں قوت شوقی اور جذبِ ملائم ہے اور کامل انسانوں کے نفوس میں عشق روحانی کی صورت میں متجلی ہے۔

در ازل از خمِ عشقش قدحے در دادند
زاں فلک چرخ زماں گشت وزمیں مست افتاد

(لااعلم)

اکابر حکما نے یہ ثابت کیا ہے کہ موجودات کے ہر ذرے میں عشق سرایت کیے ہوئے ہے۔

آپ کا عشق وجہ ہستی ہے   میری فطرت میں بُت پرستی ہے

(میکشؔ عفی عنہ)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مادیات اور عناصر ہر وقت اپنے کروں میں ملنے کے کوشاں ہیں یہی حال مجردات کا ہے اور روح یا نفس ناطقہ جو مجردات میں سے ہے، بلکہ مجردات کی ایک تجلی لطیف ہے اور اس عالم آب و گل اور مادیات میں وارد اور متجلی یا مقید ہے ہر وقت اپنے کرے کی طالب اور ہر لحظہ اپنی اصل کی جویا ہے۔ حسن اور مناظر نظارہ سوز نغمہ ہائے دلکش کی اصل بھی مجردات ہی ہیں اور یہ بھی اُسی گلشن قدس کے طائران بلند پرواز ہیں۔ روح جب ان جلوہ ہائے دلربا کو محسوس کرتی ہے تو بحکم حب الوطن ان میں جذب ہوجانا چاہتی ہے اور اپنی اصل میں ملنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کیفیت کی زیادتی اور موقع محل کے اعتبار سے سرور اضطراب سُکر بیخودی وجد اور عشق کے ناموں سے موسوم ہوتی ہے اور اپنے انجام کے اعتبار سے فنا وموت یعنی بقا وحیاتِ دوام۔

اب تو فنا ہی چارۂ سودائے عشق ہے   اِک دو گھڑی کو آ بھی ملے تم تو کیا ہوا

(میکشؔ عفی عنہ)

بہر حال جو روح مادیات کے جس قدر زیادہ زیر اثر ہوگی اُسی قدر اُس میں قوتِ پرواز کم ہوگی اور اسی قدر یہ کیفیات واحساسات اُس میں کم ہوں گے یا بالکل نہ ہوں گے اور اس کے خلاف صورت میں اس کے خلاف۔

یہ بھی درست ہے کہ عشقِ شہوانی اور عشقِ روحانی میں فرق محسوس کرنا بہت دشوار ہے۔ عشاق روحانی اکسیر سے زیادہ نادر الوجود ہیں۔ وہ لوگ قابلِ افسوس ہیں جو نفسانی خواہشات میں مبتلا اور طبیعت کی کثافت میں ملوث ہیں اور فسق و عشق اور ہوس کو محبت سمجھے ہوئے ہیں ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

(غالبؔ)

تجربے سے ثابت ہے کہ افعال شہوانی درد و سوز کو ضائع کرتے ہیں حالانکہ درد و سوز ہی مطلوب ہے۔ لٰہذا باقی چیز کے بدلے میں فانی کو خریدنا کس قدر حماقت ہے۔

پر کیف نغمے دلکش صورتیں لذتِ گوش اور ذوقِ نظر ہیں، دوسری خراب قوتوں کو اس میں سے حصّہ دینا بلکہ بُرائی کا خیال بھی لانا ظلم اور از روئے عقل و نقل قبیح و مذموم ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ مناظرِ خوش جو حس بصر کے لیے مخصوص ہیں، ہرگز اس لیے نہیں کہ ذائقہ بھی اُن سے لذت حاصل کرے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

''حسن اور خوبصورتی دیکھنے کے لیے ہے چھونے کے لیے نہیں ہے)

فلسفیوں نے عشقِ روحانی اور شہوتِ نفسانی میں یہ فرق لکھا ہے کہ عشقِ روحانی

میں حرکات اور کلمات کی طرف بہ نسبت اعضا کے تناسب کے زیادہ میل اور رغبت ہوتی ہے اس لیے کہ روح کی خواہش جسمانیت سے زیادہ روحانیت کی طرف ہے۔ اسی طرح لطیف روحیں مجرد نغموں یعنی پکے راگ اور رقص و کرشمہ سے زیادہ محظوظ و مضطرب ہوتی ہیں اس لیے کہ ان میں روحانیت اور تجرد زیادہ ہے۔ ایک فلسفی کا قول ہے کہ روحانی عاشق اپنے معشوق سے حرکات وسکنات کے ذریعہ سے اظہارِ سوز کرنا زیادہ پسند کرتا ہے، بخلاف جسمانی عاشق کے کہ وہ محدود الفاظ کے ذریعہ سے اپنے ضعیف شوق کو ظاہر کرتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو انسان کے حُسن سے اسی طرح خط و کیف حاصل ہوتا ہو، جس طرح سبزہ اور آبِ رواں یا اور دوسرے دلکش مناظر سے تو یہ دلیل ہے کہ اس کے قوائے شہوانی فنا ہو گئے ہیں اور اسے حسنِ انسان کی طرف دیکھنا مباح ہے اور اگر دوسری قسم کی لذتیں پیدا ہوں جو قوائے شہوانی پر دلیل ہیں تو اس کو حسن انسان پر نظر ڈالنی ممنوع ہے۔

فلسفہ میں یہ اچھی طرح سے ثابت ہے کہ اعتدال اس نسبت وحدت کا نام ہے جو دو چیزوں کے تناسب سے حاصل ہوتی ہے۔ صاحبِ بصیرت جانتے ہیں کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق نسبتِ وحدت واعتدال ہی کے سبب سے ہے، جو عناصر کے اجزاء میں موجود ہے اِسی نسبت کے زائل ہونے کا نام موت ہے۔ اچھے اور لطیف نغموں اور اچھی صورتوں میں جو تاثیریں ہیں وہ وحدتِ تناسب ہی کے سبب سے ہیں۔ در حقیقت روح اُسی کی عاشق ہے اور یہی سبب ہے کہ یہ نسبت شریفہ جہاں کہیں بھی ہو روح کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مثلاً حسن جو اسی خاص تناسب اور مناسبت کا نام ہے، جو اعضا میں ہو اور بلاغت وفصاحت بھی وہی تناسب ہے جو اجزائے کلام میں اور کلام

اور مقتضائے کلام میں ہو۔

اسی طرح نغموں کی تاثیریں بھی تناسب ہی کے سبب سے ہیں جس کی تفصیل کتب علم موسیقی اور علم ہندسہ میں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہی ایک شے ہے جو اگر عنصری مرکبات کے اجزا میں ظاہر ہو تو اعتدالِ مزاج ہے اور اگر کلام نفسانی میں ہو تو عدالت ہے اور اگر کلام میں واقع ہو تو فصاحت و بلاغت ہے اگر آوازوں میں ہو تو نغمۂ دلکش ہے اور حرکات میں ظاہر ہو تو غمزہ کرشمہ اور رقصِ موزوں ہے اگر اعضا میں ہو تو حسن نظارہ سوز ہے۔

روح اسی کی عاشق ہے کسی صورت سے سامنے آئے اور کسی لباس میں ظاہر ہو۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

(لااعلم)

نغمے کو از روئے فن موسیقی کہتے ہیں۔ موسیقی علم ہندسہ کی ایک شاخ ہے جو ریاضی کا جز ہے اور جس کا تعلق فلسفہ سے ہے۔

حکیم فیثا غورث کی تحقیق ہے کہ اصولِ موسیقی ان آوازوں سے اخذ کیے گئے ہیں جو افلاک کی حرکات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ کوئی نغمہ افلاک کی آوازوں سے زیادہ خوش آئند نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی کی تحقیق یہ ہے کہ اس فن کا موجد حکیم فیثا غورث ہے جو حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ بزبط (ایک باجہ ہے) اسی کی ایجاد ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس نے پہلے ایک تارہ (باجہ ہے) ایجاد کیا تھا۔ اسی طرح

قانون کا موجد ابوالفر فارابی ہے اور شہنائی شیخ بوعلی سینا کی ایجاد ہے۔ موسیقار حکیم ابو حفص سعدی کی ایجاد ہے، طبلے ستار کے موجد حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مذکورہ بیان سے ظاہر ہے کہ از روئے عقل وفلسفہ نغمہ نہایت شریف شے ہے اور نفس ناطقہ کے لیے ذریعہ کمال ہے بلکہ ان محبوب ترین چیزوں میں ہے جن کا ہر وقت نفسِ ناطقہ طالب ہے۔

اب جس وقت یہ دعویٰ کیا جائے کہ گانا بجانا عملی صورت میں مذہباً حرام ہے تو ضرور ہے کہ سیکھنا سکھانا یعنی علمی صورت میں بھی حرام ہو۔ اس صورت میں علم ہندسہ و ریاضی وغیرہ بھی حرام قرار پائیں گے، اس لیے کہ جو شے جز کی صورت میں حرام ہے وہ کل کی صورت میں بھی حرام ہے۔

موسیقی ہندسہ کا جز ہے اور ہندسہ ریاضی کا۔ حالانکہ اہل اسلام میں ہندسہ و ریاضی کو کوئی حرام نہیں سمجھتا اور نہ حرام ہے۔ اہل عرب نے ان فنون میں زمانہ اسلام میں جو ترقی کی وہ محتاج بیان نہیں۔

فعل حرام کے یہ معنی ہیں کہ اس کے فاعل کو خدا عذاب دے گا۔ یہ ایسی بات ہے جو کسی عقلی نظریہ سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ موت کے بعد کے احوال شریعت سے معلوم ہوتے ہیں اور شریعت کے حکم یا نص سے ثابت ہوتے ہیں یا قیاس سے۔ نص وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوال وافعال سے ظاہر فرمایا اور قیاس سے وہ معنی مراد ہیں جو حضورؐ کے الفاظ اور افعال سے از روئے عقل مفہوم ہوتے ہیں۔

اس صورت میں بارِ ثبوت مدعی پر ہے، اس لیے کہ ہر چیز حلال اور مباح ہے

جب تک کہ اُس سے منع نہ کیا جائے۔ تاہم اس بحث کو ہم شروع کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہر گانے اور ہر ساز کے خلاف کوئی نص اور قیاس نہیں ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت آپ سے آپ ثابت ہو جائے گا جب ہم سماع کے حرام کہنے والوں کی دلیلوں کو رد کر دیں گے۔

امام غزالیؒ احیاء علوم میں فرماتے ہیں:

ولا یدل علی تحریم السماع نص ولا قیاس ترجمہ: سماع کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ نص اور نہ قیاس۔

لیکن میں دفع دخل کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اگر بفرض محال گانے کے حرام ہونے پر کوئی نص اور قیاس ہو تو بھی یہ تو مسلمہ ہے کہ گانے کے حلال ہونے پر بہت سے دلائل موجود ہیں اور اگر ''**اذا تعارضا تساقطا**'' (جب دو دلیلیں ایک دوسرے کے خلاف موجود ہوں تو دونوں بے کار ہو جاتی ہیں) پر عمل کر کے حلال و حرام کہنے والوں کے دلائل چھوڑ دیے جائیں تب بھی سماع کا جائز ہونا اپنی جگہ پر ہے اس لیے کہ اصول کا محقق کلیہ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے یعنی کوئی شے حرام نہیں ہے جب تک حرام نہ کی جائے۔

(مفصل بحث آگے ہے)

گانے کے جائز ہونے کی دلیلیں بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ تھوڑی سی عبارت اباحۃ السماع میں حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کر دی جائے، جس کو امام غزالیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے جو ایک دلیل ہونے کے علاوہ یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق سلفِ صالحین کا عمل اور اعتقاد کیا تھا۔ حضرت ابو طالب مکی فرماتے ہیں۔

ترجمہ

''صحابہ میں سے عبداللہ ابن جعفر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ اور معاویہ وغیرہ نے گانا سُنا ہے اور یہ فعل بہت سے صحابہ اور تابعین نے اچھا جان کر کیا ہے، حجازیوں نے ہمیشہ ہمارے سامنے افضل ایام سنت میں مکہ معظّمہ میں گانا سنا ہے افضل ایام سنت وہ چند دن ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو ذکر کا حکم فرمایا ہے مثل ایام تشریق وغیرہ کے۔ مدینے والے بھی مکے والوں کی طرح ہمیشہ گانا سنا کیے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے سامنے بھی۔ ہم نے خود قاضی ابو مروان کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس کنیزیں تھیں جو مردوں کو گانا سُناتی تھیں اور اُنھوں نے ان کنیزوں کو صوفیوں کے لیے تیار کیا تھا۔ عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی دو کنیزیں تھیں جو گاتی تھیں اور عطاؒ کے بھائی سُنتے تھے۔ کسی نے ابوالحسن بن سالم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ سماع سے کیوں انکار فرماتے ہیں حالانکہ جنید اور سری السقطیؒ، ذالنون مصریؒ گانا سُنتے تھے، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں گانے سے کس طرح منکر ہوسکتا ہوں، جب ان لوگوں نے جو مجھ سے اچھے تھے سُنا ہے اور سُننے کی اجازت دی ہے البتہ میں گانے میں لہو ولعب کو بُرا سمجھتا ہوں۔ ابن مجاہدؒ اس دعوت کو قبول نہ فرماتے تھے جس میں گانا نہ ہوتا تھا اور کتنے ہی آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دعوت میں ہمارے ساتھ ابوالقاسم ابن بنت منیع اور ابوبکر بن داؤداور ابن مجاہد معہ اپنے ہم عصر علما کے شریک تھے۔ جب گانا شروع ہوا تو ابن مجاہد ابوالقاسم کو ابوبکر پر بھڑکانے لگے کہ وہ انھیں گانا سُننے پر مجبور کریں۔ ابوبکر نے کہا کہ میرے والد ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ اما احمد ابن حنبل گانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور میں اپنے باپ کے مذہب پر ہوں۔ ابوالقاسم نے جواب دیا کہ میرے دادا

احمد ابن منیع نے مجھے صالح ابن احمدؒ سے روایت کی ہے کہ صالح کے والد امام احمدؒ ابن جنازہ کا گانا سُنتے تھے۔ ابن مجاہد نے کہا کہ ابوبکر اس وقت تم اپنے باپ کو رہنے دو اور ابوالقاسم تم اپنے دادا کے قول کو رہنے دو ابوبکر تمھارا مسلک کیا ہے، اگر کسی نے شعر پڑھا تو کیا وہ حرام ہے ابوبکر نے کہا نہیں۔

ابن مجاہد نے کہا کہ اگر کسی کی آواز اچھی ہو تو اس کو شعر پڑھنا حرام ہے ابوبکرؓ نے کہا نہیں۔ ابن مجاہد نے کہا کہ اگر کسی نے شعر پڑھا اور جس لفظ کو کھینچ کر پڑھنا چاہیے تھا اُسے کھینچ کر نہ پڑھا اور جس لفظ کو کھینچ کر نہ پڑھنا چاہیے تھا اُسے کھینچ کر پڑھا تو کیا یہ حرام ہے۔ ابوبکرؓ کہنے لگے کہ جب میں ایک............ سے ورنہ آسکا تو دو سے کس طرح جیت سکتا ہوں۔ ابوالحسن العسقلانی الاسود جو بڑے اولیاءاللہ میں سے تھے گانا سُنتے تھے اور اس کے بہت دلدادہ تھے انھوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس میں سماع کے منکروں کا رد لکھا ہے۔ اسی طرح سماع کے حلال سمجھنے والوں کی ایک جماعت نے منکرین سماع کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوالعباس حضر علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ مسئلہ سماع میں آپ کی کیا رائے ہے جس میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے۔ جواب دیا کہ وہ شیریں اور صاف پانی ہے، جس پر اہل علم کے سوا کسی کے قدم نہیں جمتے۔ حضرت ممشاد دینوری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو اس سماع میں کس چیز سے انکار ہے فرمایا کہ مجھے اس میں کسی چیز سے انکار نہیں ہے، مگر یہ کہہ دو کہ سماع کے شروع اور آخر میں قرآن پڑھ لیا کریں۔ طاہر ابن بلال ہمدانی الوراق جو اہل علم میں تھے فرماتے ہیں کہ میں جدہ کی جامع مسجد

میں معتکف تھا جو دریا پر واقع ہے ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک طرف کچھ آدمی گا رہی ہیں اور کچھ سُن رہے ہیں، مجھے بُرا معلوم ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ خانہ خدا میں یہ شعر گا رہے ہیں۔ اسی رات کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اس مسجد میں اُسی جانب تشریف فرما ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے شعر پڑھ رہے ہیں حضورؐ سُن رہے ہیں اور دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر رکھے ہوئے ہیں، حال لانے والوں کی طرح۔ میں نے خیال کیا کہ مجھے ان لوگوں کے فعل کو بُرا نہیں سمجھنا چاہیے تھا جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُن رہے ہیں اور ابوبکر صدیق گا رہے ہیں۔ پس حضورؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ حق ہے اور حق سے ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ (صوفیہ) پر تین حالتوں میں رحمت نازل ہوتی ہے کھاتے وقت اس لیے کہ وہ جب تک فاقہ نہ ہو نہیں کھاتے اور ذکر کرتے وقت اس لیے کہ وہ بات چیت نہیں کرتے مگر مقامِ صدیقین میں اور سماع کے وقت اس لیے کہ وہ وجد کے ساتھ سُنتے ہیں اور حق کو دیکھتے ہیں۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ وہ سماع سُننے کی اجازت دیتے تھے کسی نے اُن سے سوال کیا کہ قیامت کے دن گانہ بھلائیوں میں شمار ہوگا یا بُرائیوں میں۔ جواب دیا کہ نہ بھلائی میں نہ بُرائی میں اس لیے کہ یہ لغو سے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم'' (اللہ تم سے لغو قسموں کا مواخذہ نہیں کرے گا)۔

(انتہیٰ قولہ)

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کو گانے بجانے سے دلچسپی نہ ہو یہ ایک فطرتی

جذبہ ہے مثل مشہور ہے کہ رونا گانا کس کو نہیں آتا۔ اکثر مذاہب مین گانے کا شمار عبادات میں ہے۔ اہل اسلام میں بھی اکثر صوفی اس کو عبادت ہی خیال کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان صوفیوں میں گانے کا رواج قوالی کی صورت میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی کے زمانے سے بہت عام ہوگیا چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے حال میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ

''ان کے مشرب پر وجد وسماع غالب تھا گانا سننے کے بہت دلدادہ تھے'' اُس زمانے میں گانے کا ان کی برابر کوئی شوقین نہیں تھا۔ مولویوں نے اُن کے لیے محضر تیار کیا تھا۔ ان کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اس سلسلہ کو برپا رکھا۔ تغلق شاہ کے زمانے میں ان پر بھی وہی محضر پیش کیا گیا تھا۔''

ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گانے کا رواج پہلے زمانے میں بھی ساز کے ساتھ تھا۔ مراۃ الاسرار میں ہے۔

ترجمہ

''حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ۔ حضرت شیخ نجم الدین کبری کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ سماع میں اکثر مشغول رہتے تھے۔''

صاحبِ نفحات قدس سرہ (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے علوم کی تحصیل اور تکمیل کے بعد حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر تربیت پائی۔ حضرت شیخ نے اوائل میں ان کو خلوت کا حکم دیا۔ دوسرے چلہ میں ان کی خلوت

کے دروازے پر تشریف لائے اور انگشتِ مبارک سے دروازہ کھٹکایا اور آواز دی کہ اے سیف الدین ۔

منم عاشق مرا غم ساز وار است
تو معشوقی ترا باغم چہ کار است

اُٹھیے اور باہر آیئے۔ ان کا ہاتھ پکڑا اور خلوت سے باہر لے آئے اس کے بعد انھیں بخارا روانہ فرمادیا۔ وہ وہاں کے صاحبِ ولایت تھے۔

امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت شیخ اپنے اصحاب کے ہمراہ گانا سُننے میں مصروف تھے کہ قاضی صدر الشریعہ قاضی بخارا جو شیخ کے سماع کو بُرا سمجھتے تھے، لکڑی لیے ہوئے محفل میں تشریف لے آئے۔ حضرت شیخ نے قوالوں کے اشارہ فرمایا اور وہ خاموش ہو گئے، لیکن آلاتِ سماع مثلاً دف اور نے سے خود بخود نغمات پیدا ہونے لگے قاضی صاحب نے اپنے ہمراہیوں سمیت حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی۔

(مراۃ الاسرار)

حضرات چشت اہل بہشت میں عموماً گانا سُننے کا رواج ساز کے ہمراہ ہے، اس طریقہ عالیہ میں تقلید اشیاخ ایک امر اہم سمجھی جاتی ہے اس خاندان کی کوئی شاخ شاید ایسی بھی ہو جس میں گانا بے ساز کے سُنا جاتا ہو، مگر وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے اشیاخ کا عمل بھی یہی تھا، یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ اس کے خلاف کوئی کتابی شہادت اس خاص معاملے میں مقبول نہیں ہو سکتی۔ متاخرین میں حضرت سید العاشقین سند المعشوقین مولانا و مرشدنا فخر الدین محمد دہلوی قدس سرہٗ العزیز اور قطب عالم مدارِ اعظم مولانا و مرشدنا حضرت شاہ نیاز احمد علوی قادری چشتی قدس سرہ العزیز جو خواجگان

چشت کے صحیح وارث اور مسلم جانشین تھے گانا معہ ساز کے سُنتے تھے اور اب تک ان حضرات کے سلاسل اور خانقاہوں میں اسی پر عمل درآمد ہے۔ علاوہ ازیں عمدۃ الاولاد غوث اعظم مولانا و مرشدنا حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری (مزار شریف رامپور میں ہے) نے آگرے کے دوران قیام میں بارہا میاں موج قوال کا گانا معہ ساز کے سُنا ہے اور آنجناب کے خلیفہ اور خاکسار کے جدامجد اغر و محترم عندغوث اعظم حضرت مولانا سید امجد علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بھی ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور اب تک ان کے مسترشدین اور اہل سلسلہ کا اسی پر عمل ہے۔ خاندان مجددیہ نقشبندیہ کے جلیل القدر حضرات حضرت خواجہ میر درد دہلوی و حضرت درگاہی شاہ صاحب رامپوری گانا معہ ساز کے سنتے تھے۔ خاندان نقشبندیہ قدیمہ کی جلیل القدر عظیم الشان شاخ خاندان ابوالعلائیہ میں اب تک جتنے حضرات ہیں وہ سب گانا معہ ساز کے سنتے ہیں۔ یہ میں اس لیے عرض کرر ہا ہوں کہ منکرین سماع ذرا اپنی نظر کو وسعت دیں اور اس وقت تخاطب خصوصاً اُن حضرات کی خدمت میں ہے جو باوجود دعویٰ روحانیت منکر سماع و ساز ہیں اور پھر اگر دلائل سے بات چیت کی جائے تو یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کہ فلاں صاحب نے ساز سے گانا سُنا ہے اور فلاں نے بغیر ساز کے۔

صوفیہ متقدمین میں صرف اتنا ہی اختلاف تھا کہ بعض گانے کو مفید سلوک خیال فرماتے تھے اور بعض غیر ضروری سمجھتے تھے۔ مثلاً شیخِ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی گانا سننے کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن مفید سلوک و رفع درجات نہیں مانتے۔

علی ہذا القیاس حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی۔ حالانکہ آپ کا گانا سننا صحیح روایات سے ثابت ہے اور صاحبِ نغائم الاشواق نے مدلل ثابت کیا ہے

لیکن گانا سُننا سلوک طریقہ عالیہ قادریہ میں داخل نہیں ہے۔

گانا سُننے کی اجازت نص سے بھی ثابت ہے اور قیاس سے بھی۔

(قیاس) گانا چند چیزوں کو شامل ہے۔ یہ بہتر ہے کہ پہلے اس کے ہر فرد سے بحث کی جائے اور پھر مجموعے سے۔

سماع ایک اچھی اور موزوں آواز کا سُننا ہے جو اکثر اور عموماً با معنی اور جذبات کی محرک بھی ہوتی ہے۔

پس وصفِ اعم یعنی عام چیز اچھی آواز ہے۔ اب اچھی آواز یا موزوں اور لے پر ہوگی یا نہ ہوگی۔ اور موزوں آواز با معنی ہوگی یا نہ ہوگی با معنی جیسے اشعار اور بے معنی جیسے نغماتِ مجردہ جو انسان حیوانات اور بے جان جسموں جمادات سے پیدا ہوتی ہے۔

کوئی آواز اپنے اچھے ہونے کے سبب سے حرام نہیں ہو سکتی بلکہ نص اور قیاس دونوں سے حلال ثابت ہے۔ اس لیے کہ اچھی آواز سے حس سمع (کان) کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ لذت کانوں کا قدرتی حصّہ ہے۔ انسان کو عقل اور حواس خمسہ عنایت کیے گئے ہیں اور ہر حاسہ کو ادراک دیا گیا ہے۔ ہر حاسہ کے مدرکات میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جن سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ آنکھ اور نظر کی لذت اچھی چیزیں دیکھنے میں ہے، شامہ کی لذت اچھی بوئیں سونگھنے میں ہے، ذائقہ کی لذت لذیذ کھانے میں ہے، عقل کی لذت علوم و معارف سمجھنے میں ہے، علیٰ ہذا القیاس سامعہ کی لذت اچھی آوازیں سُننے میں ہے۔

لہٰذا از روئے عقل و قیاس اچھی آواز سُننا اور لذتِ سمع حاصل کرنا بُرا نہیں

ہوسکتا۔

اچھی آوازوں کے پیدا کرنے اور ان کو سُننے کی طاقت دینے میں اللہ تعالیٰ کا بندوں پر بڑا احسان ہے، خود فرماتا ہے:

یزید فی الخلق من ما یشاء	جو چاہتا ہے خلقت میں زیادہ کرتا ہے۔
(فقیل ھو الصوت الحسن) غزالی	(وہ اچھی آواز ہے)

حدیث شریف ہے:

ما بعث اللّٰہ نبیا الا حسن الصوت	خدا نے ہر نبی خوش آواز بھیجا ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف کے موقع پر ہے:

انہ کان حسن الصوت فی النیاحة علی نفسه وفی تلاوته الزبور حتی کان یجتمع الانس والجن والوحوش والطیر لسماع صوته وکان یحمل من مجلسه اربعمائة جنازة وما یقرب منها فی الاوقات	وہ نوحہ نفس اور تلاوت زبور میں خوش آواز تھے حتیٰ کہ اُن کی آواز سننے کے لیے انسان اور جن اور وحوش وطیور جمع ہوجاتے تھے۔ ان کی مجلس سے چارسو جنازے تک اٹھے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا ہے:

لقد اعطی زماراً من مزامیر آل داؤد۔	انھیں آل داؤد کے سازوں میں سے ایک ساز دیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ:

حسنوا القرآن باصواتکم — قرآن میں اپنی آوازوں سے حسن پیدا کرو۔

جس سے اچھی آواز کے تعریف کے علاوہ اچھی آواز میں جس قدر اختیار ہے اُس کے استعمال کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ایک اور حدیث ہے کہ

لیس منا من لم یتغن بالقرآن — جو قرآن کو گا کر[1] نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان انکـــر الاصـوات لـصـوت الحمیر — سب سے بری گدھے کی آواز ہے

یہ اس بات پر صراحت ہے کہ بری آواز خدا کو بھی بُری معلوم ہوتی ہے۔

شاید کوئی کہے کہ اچھی آوازیں صرف قرآن میں سُننا جائز ہیں تو جواب دیا جائے گا کہ جن آدمیوں کی آوازیں اچھی ہیں ان سے بات کرنا بھی ناجائز ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔یا یہ کہ بلبل قمری وغیرہ طیور کی آوازیں سُننا ناجائز ہوگا۔اور ایسا نہیں ہے تو جب جانوروں کی آوازیں سُننا جائز ہے تو ایسی آواز کا سُننا کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے جس سے معانی لطیف اور صحیح سمجھ میں آتے ہیں۔

---

[1] اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ قرآن میں قواعد موسیقی کا لحاظ کیا جائے اس لیے کہ اس وقت اگر مدوقصر قرآنی اور قواعد تجوید کا لحاظ نہ کیا گیا تو ارتکابِ امر نامشروع ہوگا اور اصطلاح قراء میں اس کو لحن کہتے ہیں۔(میکش عفی عنہ)

اب آواز پر اس نظر سے غور کرنا چاہیے کہ وہ موزوں ہے یعنی لے دار ہے۔ اس لیے کہ وزن اور لے خوبی سے علاحدہ ایک چیز ہے۔ بہت سی لے دار آوازیں اچھی نہیں ہوتیں اور بہت سی بے لے آواز اچھی ہوتی ہیں۔

اچھی آوازیں اپنے مخارج کے اعتبار سے تین ہیں:

۱۔ انسان کی آواز

۲۔ جانوروں کی آواز (پرندوں کے چہچہے)

۳۔ وہ آواز جو بے جان چیزوں سے آدمی کے اختیار سے نکلتی ہے (باجے)۔ یہ آوازیں ایسی ہیں کہ اچھی ہونے کے علاوہ عموماً اُتار چڑھاؤ سے موزوں ہیں اسی لیے ان کا سُننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

محسوسات اور مرکبات میں تمام آوازوں کی اصل جانداروں کے گلے ہیں۔ تمام باجے گلوں کی آواز پر بنائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو باجہ گلے سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے یعنی گلے کا ساتھ دیتا ہے وہ ہی زیادہ مکمل سمجھا جاتا ہے اور یہ صنعت کو خلقت سے مشابہت دینا ہے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس تک اہل صنعت اپنی صنعت سے پہنچے ہوں اور اس کے لیے خلقت میں مثال نہ ہو جس کو اللہ نے اپنی قدرت سے اختراع فرمایا ہو۔ پس اچھی اور موزوں ہونے کی وجہ سے آوازوں کا سُننا حرام ہونا محال ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ بلبل کی آواز سننا حرام ہے۔ پس ایک گلے سے دوسرے گلے میں اور جاندار کی آواز اور بے جان کی آواز سننے میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا بلبل کی آواز پر اُن آوازوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے جو آدمی کے اختیار سے دوسری چیزوں سے نکلتی ہیں، جیسے ڈھول، طبلہ وغیرہ۔''

اس موقع پر یہ بحث ہے کہ احیاء علوم الدین (کتاب آداب السماع) میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ڈھول، طبلہ، ڈنڈے اور ہر باجہ جائز ہے سوائے ان باجوں کے جس کے شرابی عادی ہوں وہ ناجائز ہیں اور وہ مزمار عراقی ہیں۔ عود، چنگ، رباب، بربط وغیرہ۔ یہ اس لیے ناجائز نہیں ہیں کہ ان میں لذت ہے اگر یہ ہوتا تو ہر وہ ہر شے ناجائز ہوتی جس میں لذت ہو، بلکہ ان باجوں کو اگر کوئی اس طرح بجائے کہ لذت حاصل نہ ہو تو بھی ناجائز ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو اُس کی عادت جو لوگوں کو پڑی ہوئی تھی، اس بات کی مقتضی ہوئی کہ لوگوں سے اُس کے چھڑانے میں مبالغہ کیا جائے شروع میں اس مبالغے کی انتہا یہاں تک ہوئی کہ جو برتن شراب کے استعمال کے لیے مخصوص تھے توڑ دیے گئے اور مزفت حنتم نقیر (شراب کے مخصوص برتن) میں نبیذ بنانے کی بھی ممانعت کر دی گئی اور ہر وہ چیز حرام کر دی گئی جو شرابیوں کا شعار تھی مثلاً اوتار و مزامیر اور ان کی حرمت شراب کے تابع ہونے کے سبب سے تھی جیسے کہ اجنبی عورت کے ساتھ اکیلا ہونا ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں جماع کا خوف ہے۔

بدظن حضرات کے لیے احیاء علوم الدین کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے، جس سے عبارت مذکورہ بالا ماخوذ ہے۔ اب بھی اگر شک ہے تو اصل کتاب ملاحظہ ہو:

''ولا یستثنی من ھذا الا الملاھی والاوتار والمزامیر التی ورد الشرع بالمنع عنھا لا للذتھا اذ لو کان للذۃ لقیس علیھا کل ما یلتذبہ الانسان ولکن حرمت الخمور واقتضت ضراوۃ الناس بھا المبالغۃ فی الفطام عنھا حتی انتھی الامر فی الابتداء الی کسر الدنان محرم

معها ما هو شعار اهل الشرب وهی الاوتار والمزامیر فقط دکان تحریمها من قبل الاتباع کما حرمت الخلوة بالاجنبیة لانها مقدمة الجماع .... ولهذه العلة نهی عن الا نتباذ فی المزفت والحنتم والنقیر وهی الاوانی التی کانت مخصوصة بها ...... فبهذه المعانی حرم مزمار العراقی والاوقار کلها کالعود والصنج والرباب والبربط وغیرها. وما عدا ذلک فلیس فی معناها کشاهین الرعاة والحجیج وشاهین الطبالین وکالطبل والقضیب وکل آلة یستخرج منها صوت مستطابٌ موزون سوی ما یعتاده اهل الشرب لان کل ذلک لا یتعلق بالخمر ولا یذکر بها ولا یشوق الیها .... بل اقول اسماع الاوتار ممن یضربها علی غیر وزن متناسب مستلذ حرام ایضاً۔"

اب یہ حقیر نہایت ادب سے عرض کرتا ہے کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے چند باجے مثل چنگ ورباب کے ناجائز ہونے کی یہ وجہ تحریر فرمائی ہے کہ ان سے شراب کی محفلیں یاد آتی تھیں اس لیے حرام کردیے گئے تھے۔اس وقت یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آج کل اگر ان باجوں سے شراب کی محفلیں یاد نہ آئیں تو ان کے ناجائز ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے: "اذا فات الشرط فات المشروط "(جب شرط جاتی رہے تو مشروط بھی نہیں رہتا)۔

دوسرے یہ کہ جس وقت مزامیر واوتار شراب کی وجہ سے ناجائز اور حرام کیے گئے تھے اُسی وقت اور اُسی روز سے شراب کے برتن بھی حرام کیے گئے تھے اور جب سببِ حرمت موجود نہ ہونے کے سبب سے ان برتنوں میں آج کل نہیں بلکہ حضورؐ کے زمانہ

اقدس میں ہی کھانا پینا جائز ہوگیا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ مزامیر ناجائز رہیں۔

حنتم مزفت وغیرہ کے استعمال سے جس حدیث میں روکا گیا ہے اس کے حاشیہ پر مشکوٰۃ المصابیح میں لکھا ہے: "وھذا النھی منسوخ کما قال السید جمال الدین" (یہ نہی منسوخ ہے جیسا کہ سید جمال الدین نے بھی کہا ہے)

بلکہ قیاسا تو ہر پاک اور اچھی چیز حلال ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو کہ اللہ کی اُس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے ظاہر کی ہے کس نے حرام کیا ہے۔

مگر ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے ہم خوشی سے ماننے کے لیے تیار ہیں کہ چنگ و رباب، بربط، عود اور جتنے ساز کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور آپ نے ان کو ناجائز قرار دیا فی الواقع ناجائز ہیں اگر کوئی کہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے جو باجے تھے وہ ناجائز ہیں تو ہم بجا و درست ہی کہیں گے۔ یہ اس لیے کہ عہد جدید میں فطرت نے ایسے اعلیٰ اور مکمل باجے ایجاد کیے ہیں جن کے ہوتے ہوئے اس پرانے ایندھن کی اب بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ہارمونیم، ارگن، پیانو، جلترنگ، فونوگراف، طبلہ وغیرہ ایسے مکمل باجے ہیں، جن کے سامنے چنگ و رباب کو کوئی نہیں پوچھتا، بلکہ اہل علم طبقے کے سوا کوئی شاید نام بھی نہ جانتا ہوگا۔ پس اب کون ایسا مجتہد ہے جو ان چیزوں کو حرام کردے۔

خدا کے لیے کوئی عقلمند یہ نہ کہہ دے کہ اس قاعدے سے تو ثابت ہوتا ہے کہ پُرانی شرابیں ناجائز ہیں اور جو شرابیں اور نشے کے بعد کے زمانے میں ایجاد ہوئے وہ جائز ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں اور اس لیے نہیں کہ اُس مجتہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ: ''کل مسکر حرام'' ہرنشہ حرام ہے۔صرف یہ ہی نہیں فرمایا کہ خمرحرام ہے بلکہ اس کا سبب بھی اس کے ساتھ بتا دیا اور ایک کلیہ مقرر فرما دیا پس جتنے افراد اُس کلیہ کے تحت میں آتے جائیں گے حرمت کا حکم ان سب پر عائد ہوتا جائے گا، لیکن ساز اور باجے کی بابت شارع نے قاعدہ کلیہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ مجتہدین نے بھی، اس لیے پہلے زمانے کے مزامیر پر آج کل کے باجوں کو قیاس کر کے حرام نہیں کہہ سکتے اوّل تو یہ امر زیر بحث ہے کہ ہمیں قیاس کا اختیار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو ایک کلیہ اور ایک سبب مشترک اور حرام ایسا قائم کرنا پڑے گا جو جہاں کہیں بھی موجود ہوگا حرام ہوگا۔ مگر باجوں میں ایسا کوئی امر مشترک نہیں ہے مثلاً سازوں کی ترکیب میں عموماً لکڑی اور دھات شامل ہوتی ہے۔ پس یہ کوئی کلیہ نہیں ہے کہ دھات لکڑی کی ترکیب یا فرداً فرداً ان کا استعمال ناجائز ہے یا ساز سے اچھی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ کوئی کلیہ شریعت نے مقرر نہیں کیا ہے کہ ہر اچھی آواز کا سُننا ناجائز ہے یا یہ کہ اس کے سننے سے لذت پیدا ہوتی ہے پس یہ کوئی کلیہ شریعت نے مقرر نہیں کیا ہے کہ ہر لذت ناجائز ہے۔ پس کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت میں لا کر مزامیر قدیمہ پر ان نئے سازوں کو قیاس کریں اور ناجائز کر دیں۔ اگر کوئی کہے کہ وہ مزامیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ناجائز فرمائے تھے کہ ان سے شراب کی محفلیں یاد آتی تھیں، لہٰذا ان سازوں سے بھی اگر شراب کی محفلیں یاد آئیں تو از روئے قیاس یہ ساز بھی ناجائز ہو جائیں گے'' تو میں عرض کرتا ہوں کہ اوّل تو شارع نے یہ کلیہ مقرر نہیں فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے شراب یاد آئے حرام و ناجائز ہے اور بفرض محال اگر ایسا ہو تب بھی اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جس کو ساز سننے سے شراب یاد آئے وہ ہرگز نہ سُنے۔ شراب تو شرابی ہی کو یاد

آئے گی نہ ہر شخص کو، مگر اس قاعدہ سے تو شرابی کو جس قدر مناظر پر کیف ہیں ان سب کا دیکھنا ناجائز ہوگا، اس لیے کہ اس کو اس وقت بھی شراب یاد آئے گی تو کیا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ پُر کیف طرب افزا مناظر قدرت ہر مسلمان کو دیکھنے ناجائز ہوں گے ہر گز نہیں۔ اس وقت میں یہ بھی سوال کروں گا کہ اگر کوئی شرابی قرآن کی وہ آیات پڑھے جن میں حور وقصور شراب طہور کا ذکر ہے اور اس سے اپنا مذاقِ طبع حاصل کرے تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی وہ آیات پڑھنا ناجائز ہے۔ اسی پر باجوں کو خیال فرمالیجیے۔ یہاں سے یہ اعتراض بھی رفع ہوگیا جو اکثر لوگ کیا کرتے ہیں کہ علما وصوفیہ متقدمین جو گانا سُنتے تھے اور جائز سمجھتے تھے وہ بھی مزامیر کو ناجائز فرماتے تھے۔ اس لیے کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ وہ مزامیر جن کو شریعت متقدمہ نے ناجائز کیا ہے ہمیں جائز ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موقع پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ آج کل عموماً علما کا عمل درآمد اس پر ہے کہ ائمہ ومجتہدین کے مقرر کیے ہوئے اصول وکلیات سے جو فروعات متاخرین نے اخذ کر کے فتاویٰ میں لکھ دیے ہیں۔ ان فروعات کو قرآن شریف کی طرح ناقابل تنسیخ سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف تحقیق کو الحاد وزندقہ کہتے ہیں حالانکہ قرآن واحادیث کے بھی بہت سارے جزئیات جو ایک وقت میں کسی ضرورت کے سبب سے عائد کیے گئے تھے بعد میں ان ضرورتوں کے نہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہوگئے یہ بالکل صحیح ہے کہ اسلام کے اصول مخصوصہ بالکل ترمیم وتنسیخ کے لائق نہیں ہیں اور نیز وہ جزئیات بھی جو قرآن اور احادیث صحیحہ ومتواترہ سے ثابت ہیں۔

بعض لوگ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دف سے

گایا جاتا تھا اس لیے اب اور کسی باجے کے ساتھ گانا سُننا جائز نہیں ہے اور بدعت ہے۔ اُن حضرات سے صرف اتنا عرض ہے کہ جناب براہ مہربانی ریل اور موٹر کی سواری ترک فرما دیجیے اونٹوں پر سفر فرمایئے اس لیے کہ ریل حضور کے زمانہ میں نہیں تھی۔

یہ تعریف کرنا کہ ہر وہ چیز جو حدیث سے ثابت نہیں ہے بدعت ہے ''ما لا ثبت بالسنة'' صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت وہ ہے جو احادیث صحیحہ کے مخالف ہو ''ما خالف السنة'' جس پر اکثر علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ مثلاً نماز کی نیت الفاظ سے کرنا جو آج کل رائج ہے حضور اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں نہیں تھا۔ بعد کے علما نے لوگوں کی بے پرواہی دیکھ کر ایجاد کیا ہے اور یہ بدعت نہیں ہے (دیکھو طحطاوی شرح مراقی الفلاح) اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لیجیے۔

اب گانے کو اس نظر سے ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اچھی اور موزوں آواز ہونے کے ساتھ ساتھ بامعنی بھی ہے یعنی شعر ہے اور وہ سوائے آدمی کے گلے کے اور کسی شے سے نہیں نکلتا۔ یہ قطعی مباح اور جائز ہے اس لیے کہ بامعنی کلام کا بامعنی ہونے کی وجہ سے حرام ہونا عقلاً نقلاً محال ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اچھی اور موزوں آواز کا سُننا حرام نہیں ہے اور بامعنی آواز سننا حرام نہیں ہے تو اس کا مجموعہ بغیر کسی سبب کے کس طرح اور کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

البتہ کلام اس کے اندر ہے کہ اگر شعر میں ایسا مضمون ادا کیا گیا ہے جو حرام ہے تو اُس صورت میں گانے اور شعر کی خصوصیت نہیں اُس مضمون کا نثر میں پڑھنا بھی

ناجائز ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الشعر کلام فحسنه حسن و قبیحه قبیح''(شعر کلام ہے اس کا اچھا اچھا ہے اور برا برا ہے۔)

شعر پڑھنے سے منع نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھے گئے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے: ''ان من الشعر لحکمة''(بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے) صحابہ نے شعر پڑھے ہیں اور خود کہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کا شعر کہنا ثابت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ میں صاحبِ دیوان ہیں۔ کعب ابن زہیر رضی اللہ عنہ بڑے مشہور شعرا میں ہیں آپ کا قصیدہ ''بانت سعاد'' مشہور ہے۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر پڑھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بچھوانا اور یہ فرمانا: ''ان اللّٰه یؤید حسان بروح القدس ما نافح او فاخر عن رسول اللّٰه''صحاح سے ثابت ہے(اللہ حسان کی روح القدس کے ذریعہ سے تائید کرتا ہے جب تک وہ رسولؐ کی طرف سے جواب دیا کرتے ہیں اور فخر کیا کرتے ہیں)

بلکہ خود حضورؐ کا شعر پڑھنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے منجملہ ان کے یہ شعر ہے، جو حضورؐ قوم کے ساتھ بناء مسجد کے لیے اینٹیں اُٹھاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

هذا لجمال لا جمال خيبر　　　هـذا ابـر ربـنـا وأطهـر

اسی طرح یہ شعر دوسرے موقع پر۔

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ

(بخاری و مسلم)

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا یہ شعر جو آپ نے حضورؐ کے مرثیہ میں فرمایا تھا مشہور اور ثابت ہے:

صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام صرن لیالیا

اب صرف یہ باقی رہ گیا کہ اُس آواز کا سننا جو جذبات کی محرک ہو جائز ہے یا نہیں؟ حقیقتاً موسیقی میں خدا تعالیٰ کا بہت بڑا سر ہے۔ اور اس کو ارواح کے ساتھ نہایت تعلق ہے۔ چنانچہ بعض آوازیں خوش کرنے والی ہیں بعض غمگین کرنے والی اور بعض سلانے والی۔ مثلاً اہل فارس کی تحقیق ہے کہ عشاق، اور بوسلیک، اور نوا، سے شجاعت پیدا ہوتی ہے اور راست، اصفہان، عراق، سے نشاط، اور رہاوی، حسینی، حجاز، سے ذوق اور بزرگ، کوچک، زنگولہ، سے ملال۔ علی ہذا القیاس اہل ہند کے یہاں بھی راگوں میں کیفیات لطیفہ و عجیبہ کا وجود مسلم ہے۔

یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیفیات گانے کے مضمون سے پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ یہ کیفیتیں اس موقع پر بھی دیکھنے میں آئی ہیں جہاں صرف ساز اور باجہ بجتا ہو۔ وہ بچہ جو کچھ نہیں سمجھتا اچھی آواز سن کر رونے سے چپ ہو جاتا ہے۔ اونٹ جیسا بلید الطبع جانور اعراب کی ہدی خوانی سے کس قدر مست ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں سانپ کو ملاحظہ فرمایئے جو بین کی آواز سنتے ہی مست ہو جاتا ہے۔ نہ بین بامعنی ہوتی ہے نہ سانپ معنی فہم۔

یہ تو مسلم ہے کہ گانے کو تحریک جذبات میں پورا اثر ہے، لیکن شریعت نے یہ کہیں نہیں کہا ہے اور یہ کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا ہے کہ جو شے محرک جذبات ہو وہ ناجائز ہے (مفصل بحث بعد میں آئے گی) لہٰذا کوئی اطلاقی حکم نہیں لگا سکتے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''جس کے جذبات میں سماع سے تحریک نہ ہو وہ ناقص ہے، غیر معتدل ہے، روحانیت سے دور ہے۔ غلاظت طبع اور کثافت میں اونٹ اور پرندوں بلکہ تمام چوپایوں سے زیادہ ہے اس لیے کہ وہ سب نغموں سے متاثر ہوتے ہیں اسی لیے پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سن کر اُن کے سر پر ٹھہر جاتے تھے۔''

جس سے صاف طور سے ثابت ہے کہ تحریک جذبات کرنے والی آوازیں حرام نہیں بلکہ جو متاثر نہ ہو وہ ناقص اور روحانیت سے دور ہے۔

ہندوستان میں گانا عموماً چند مواقع پر ہوتا ہے۔ اکثر خوشی کے مواقع پر یا تفریح و تفرج کے طور پر عرس و فاتحہ اور اجتماع صوفیہ کے وقت۔ نعت خوانی کا ذکر اس وقت اس لیے بے محل ہے کہ اُس میں کلام مضمون کے اعتبار سے ہے نہ موقع کے لحاظ سے اب دیکھنا یہ ہے کہ جن مواقع اور جن اسباب سے گانے کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں وہ اسباب اگر محمود و حلال ہیں تو گانا بھی حلال ہے اور اگر حرام ہیں تو حرام۔

الحان و ترنم سے وہ جذبات جو اس وقت ہوتے ہیں زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہ امر بحیثیت خود حرام نہیں ہو سکتا۔

جس طرح اظہارِ خیال و جذبات الفاظ و زبان کے ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح

ہاتھ کی جنبش ابرو کی حرکت آنکھ اور چہرے کی حالت حرکات وسکنات سے بھی ہوتا ہے جو علاوہ فطرتی جذبہ ہونے کے کلام کو موثر بنانے اور مفہوم کو مجسم کرنے میں ایک کامیاب ذریعہ ہے جس کی ضرورت اکثر منبر کی فضائے تنگ میں مقدس واعظوں اور لکچراروں کو بھی پیش آتی ہے۔

وہ حرکات اگر ناموزوں اور غیر اختیاری ہوں تو اضطراب و وجد ہے اور اگر موزوں اور اختیاری ہوں تو رقص اور تال وغیرہ ہے۔

جب اظہارِ سرور و جذبات الفاظ میں جائز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حرکات میں ناجائز ہو۔ خصوصاً اُس وقت جب اس کی حرمت پر کوئی دلیل بھی نہ ہو۔ بلکہ صحابہ سے یہ فعل مشاہدہ ہوا ہے جس کو حضرت امام غزالیؒ نے جو ناچ کو جائز سمجھتے ہیں نقل فرمایا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی عورت اور مردوں کا رقص ملاحظہ فرمایا اور دکھایا ہے۔ امام غزالیؒ کی عبارت یہ ہے:

هو سرور محمود فاظهاره بالشعر و النغمات والرقص والحركات ايضا محمود فقد نقل عن جماعة من الصحابة انهم حجلوافى سرور اصابهم كما سياتى فى احكام الرقص وهو جائز۔

دوسری جگہ اسی بحث میں فرماتے ہیں:

فهذه المقايس والنصوص تدل على اباحة الغناء والرقص والضرب بالدف واللعب بالدرق والحراب والنظر الى رقص الحبشة والزنوج فى اوقات السرور كلها قياسا على يوم العيد فانه وقت سرور وفى معناها العرس والوليمة والعقيقة والختان ويوم قدوم

الغائب من السفر وسائر اسباب الفرح وهو كل ما يجوز به الفرح شرعاً ويجوز الفرح بزيارة الاخوان و لقائهم واجتماعهم فی موضع واحد علی طعام أو کلام فهو ایضاً منطنة السماع۔

(احیاء علوم الدین، ربع ثانی، آداب السماع)

ترجمه

''وہ خوشی نیک ہے لہٰذا اس کا اظہار نغمے رقص اور حرکات سے بھی اچھا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے ایک خوشی میں جو انھیں حاصل ہوئی تھی رقص کیا تھا، جیسا کہ احکام ورقص میں بیان ہوگا اور وہ جائز ہے — یہ قیاسات اور نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں کہ گانا ناچ دف بجانا پٹہ وغیرہ کھیلنا حبشیوں کا ناچ دیکھنا، خوشی کے موقع پر جائز ہے، عید پر قیاس کرکے۔ اسی حکم میں شادی، ولیمہ، عقیقہ، ختنہ، مسافر کی واپسی اور تمام اسباب فرح اور ہر وہ شے ہے جس پر شرعاً خوش ہونا جائز ہے اور دوستوں کی ملاقات اور اُن کے ایک جگہ جمع ہونے پر کھانے پر یا کلام پر (مثلاً عرس وفاتحہ وغیرہ) خوشی جائز ہے اور یہ بھی گانا سُننے کا موقع ہے۔''

اب کچھ احادیث ملاحظہ ہوں جن سے بیان سابق کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا فسمعنا لغطا و صوت صبيانا فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا حبشية تزفن والصبيان حولها فقال يا عائشة تعالىٰ فانظری فجئت فوضعت لحي على منكب رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعلت النظر اليها ما بين المنكب على رأسه فقال

لی اما شبعت اما شبعت فجعلت اقول لا فطلع عمرنا رفض الناس عنها فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لا نظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر قالت فرجعت۔

(ترمذی شریف ومشکوٰۃ)

ترجمہ

''عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور اور بچوں کی آوازیں سُنیں۔ رسول اللہ صلعم کھڑے ہو گئے دیکھا کہ ایک حبشی عورت ناچ رہی ہے اور بچے اس کے چاروں طرف ہیں۔ آپ نے فرمایا عائشہ یہاں آؤ دیکھو۔ میں حاضر ہوئی اور میں نے اپنی ٹھوڑی رسول اللہؐ کے شانے پر رکھ دی اور سر اور شانے کے درمیان میں سے جھانکنے لگی۔ حضورؐ فرماتے رہے کہ ابھی تمھارا جی نہیں بھرا ابھی تمھاری طبیعت سیر نہیں ہوئی اور میں نہیں کہے گئی۔ اتنے میں (حضرت) عمرؓ برآمد ہوئے اور لوگ اُس رقاصہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں شیاطین جن وانس کو دیکھتا ہوں کہ وہ عمرؓ سے بھاگتے ہیں۔ پھر میں واپس آ گئی۔''

اس مقام پر پڑھے لکھے جاہل یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشریف لے آنے سے آدمی بھاگ گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیاطین جن وانس عمرؓ سے بھاگتے ہیں تو اس سے ثابت ہے کہ رقص فعل شیطانی تھا۔

علما نے ایسے اعتراضات سے منع فرمایا ہے۔ صاحبِ لمعات فرماتے ہیں۔

"ولکنه لیس بحرام والا فکیف رأه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم واراه عائشة"۔ یعنی اگر وہ فعل شیطانی اور حرام تھا تو حضور صلعم نے کیوں ملاحظہ فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو کیوں دکھایا، کیا یہ ممکن ہے کہ پیغمبر خدا فعل شیطانی میں ہو اور ایک صحابی سے شیطان بھاگ جائے توبہ استغفر اللہ۔

محدثین نے اس حدیث کو حرمت رقص وغنا کے باب میں نہیں لکھا ہے بلکہ مناقب عمرؓ میں بیان کیا ہے۔ اور مقصود صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت اور رعب کا بیان فرمانا ہے کہ یہ تو یہ ان سے تو شیطان بھی بھاگتے ہیں۔ غور فرمایئے کہ وہ ناچنے والی تو بھاگی بھی نہیں آدمی بھاگ گئے تو کیا وہ سب شیطان تھے، بلکہ ضروری ہے کہ ان بھاگنے والوں میں مسلمان بھی ہوں گے اور اہل سنت میں یہ مسلم ہے کہ حضور صلعم کے زمانے میں جتنے مسلمان حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ صحابی ہیں۔ اس لیے ان بھاگنے والوں کو بھی شیطان نہیں خیال کر سکتے۔

اسی طرح بخاری و مسلم میں متعدد راویوں سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ واللہ میں نے دیکھا ہے کہ رسولؐ خدا میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی رسول اللہ کی مسجد میں پٹہ (حراب) کھیل رہے تھے حضور مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اس لیے کہ میں ان کے کھیل کو دیکھوں۔ میرے سبب سے حضور کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی واپس آگئی۔ یہ حدیث بذریعہ ابوطاہر کے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(۲) قالت عائشة واللّٰہ لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشة یلعبون لجرابهم فی مسجد

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یسترنی بردائہ لکی انظر الی لعبھم ثم یقوم من اجلی حتی اکون اما الذی انصرف۔

(الحدیث)

اسی طرح اور راویوں سے بھی اسی قسم کے واقعات بہ تغیر الفاظ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہوئے ہیں، جن کے حضرت امام غزالیؒ احیاء علوم میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ترجمہ

''یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے اور اس سے کئی قسم کی اجازتیں نکلتیں ہیں۔ اوّل رخصت کھیل کود کی۔ حبشیوں کی کھیل اور رقص میں جو عادت ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ دوسرے ایسے فعل مسجدوں میں کرنے کی رخصت ثابت ہوتی ہے۔ تیسرے حضورؐ کا یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ کو بلانا کہ ''دونکم یا بنی ارقدہ'' اس سے کھیل دیکھنے کا حکم اور التماس معلوم ہوتا ہے پس وہ کس طرح حرام ہوسکتا ہے۔''

(۳) ومنھا ما روی فی مسند احمد ان الحبشۃ کانوا یدففون بین یدی النبی صلعم ویرقصون ویقولون رسولٌ محمدٌ عبدٌ صالحٌ فقال علیہ السلام ما تقولون قالوا نقول محمد عبد صالح۔

ترجمہ

''مسند امام احمدؒ میں روایت ہے کہ حبشی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجا رہے تھے اور ناچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''رسولٌ محمدٌ عبدٌ صالحٌ'' حضورؐ

نے فرمایا کیا کہہ رہے ہو۔ انھوں نے عرض کیا "محمدٌ عبدٌ صالحٌ"۔

(٤) وعن بريدة قال خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى بعض مغازيه فلما انصرف جاء ت جارية سوداء فقالت يا رسول اللّٰه انى كنت نذرت ان ردک اللّٰه صالحاً ان اضرب بين يديک بالدف واتغنى فقال لها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان كنت نذرت فاضربى والا فلا فجعلت تضرب فدخل ابو بكر وهى تضرب ثم دخل علي وهى تضرب ثم دخل عثمان وهى تضرب ثم دخل عمر فالقت الدف تحت استها ثم قعدت عليها فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ان الشيطان ليخاف منک يا عمر انى كنت جالسا وهى تضرب فدخل ابوبكر وهي تضرب ثم دخل علي وهى تضرب ثم دخل عثمان وهى تضرب فلما دخلت انت يا عمر القت الدف۔

(ترمذی شریف، مشکوۃ)

ترجمہ

"بریدۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر تشریف لے گئے، جب واپس ہوئے تو ایک سیاہ رنگ کی کنیز آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نذر مانی ہے تو گاؤ ورنہ نہیں۔ وہ دف بجانے لگی اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، وہ بجاتی

رہی، پھر حضرت علیؓ تشریف لائے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عثمانؓ تشریف لائے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے تو اُس نے دف رکھ دیا اور اس پر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرؓ تم سے شیطان ڈرتا ہے میں بیٹھا رہا وہ بجاتی رہی، ابوبکر آئے وہ بجاتی رہی، پھر علیؓ آئے وہ بجاتی رہی، عثمان آئے اور وہ بجاتی رہی، جب تم آئے تو اس نے دف رکھ دیا۔''

یہ حدیث پیش کرتے وقت بھی ایک شبہ تو وہی ہوتا ہے جو پہلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر تو نے نذر مانی ہے تو گا ورنہ نہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ نذر ایک طرح کی طاعت ہے، اس لیے روزہ، صدقہ وغیرہ نذر ماننا چاہیے اور اگر کوئی گانے کی نذر مان لے تو جائز ہے مگر کوئی امر مفید نہیں ہے۔ اس کے خلاف یہ نہیں کہہ سکتے کہ گانا ناجائز ہے، لیکن کوئی نذر مان لے تو جائز ہے، اس لیے کہ نذر حرام چیز کی حرام ہے۔ شراب پینے کی اگر کوئی نذر مان لے تو اُسے ہرگز نہ پینی چاہیے۔ حدیث شریف ہے کہ ''لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملک'' (مسلم)

ترجمہ

''گناہ اور اُس چیز کی نذر جو اپنے قبضہ میں نہیں ہے پوری نہیں کرنی چاہیے۔''

(۵) عن عائشة قالت ان ابا بکر دخل علیها وعندها جاریتان فی ایام منی تدففان وتضربان وفی روایة تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث والنبی صلی اللہ علیه وسلم متغش ثوبه فانتهرهما

ابوبکر فکشف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن وجهه فقال دعهما یا ابا بکر فانها أیام عید وفی روایة یا ابا بکر ان لکل قوم عید أو هذا عیدنا۔ (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ)

ترجمه

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابوبکرؓ تشریف لائے اس وقت میرے پاس دو کنیزیں تھیں اور وہ ایام منی تھے وہ دف بجا رہی تھیں اور ناچ رہی تھیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ گارہی تھیں وہ اشعار جو انصار نے یوم بعاث میں موزوں کیے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے منہ ڈھانکے ہوئے تشریف رکھتے تھے۔ ابوبکرؓ نے ان کنیزوں کو جھڑکا۔ رسول اللہؐ نے منہ کھولا اور فرمایا کہ ابوبکرؓ انھیں رہنے دو یہ عید کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''

(٦) عن عائشة قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف۔

(ترمذی، مشکوٰۃ)

ترجمه

''عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کا اعلان کرو اور مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دف بجاؤ۔''

(٧) وعن محمد بن الخاطب الجمحی عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال فصل ما بین الحلال والحرام الصوت والدف فی

النکاح۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

''محمد بن حاطب جمحی فرماتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حلال اور حرام کا فرق نکاح میں آواز (گانا) اور دف سے ہے۔''

(۸) وعن عائشة قالت كانت عندى جارية من الانصار زوجتها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا عائشة الا تغنين فان الحى من الانصار يحبون الغناء۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

''عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک لڑکی خاندان انصار میں سے تھی میں نے اس کی شادی کی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ تم گاتی نہیں، یہ خاندان انصار کا ہے جو گانے کو دوست رکھتے ہیں۔''

(۹) وعن ابن عباس قال انكحت عائشة ذات قرابة لها من الانصار فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اهديتم الفتاة قالوا نعم قال ارسلتم معها من تغنى قالت لا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الانصار قوم فيهم غزل فلو بعثتهم معها من يقول اتيناكم اتيناكم فحيانا وحياكم۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عائشہ نے اپنے ایک کنبہ دار کی انصار میں سے شادی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے لڑکی کو بھیج دیا،

عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھی بھیجا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ انصار ایسی قوم ہے جس میں غزل ہے (گانے کی طرف رغبت زیادہ ہے) کاش تم اس کے ساتھ کسی کو بھیج دیتیں جو گاتا۔"

اتینا کم اتینا کم فحیانا وحیاکم

(۱۰)وعن عامر بن سعد قال دخلت علی قرظة بن کعب وابی مسعود الانصاری فی عرس واذا جوار یغنین فقلت ای صاحبی رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم وأهل بدر یفعل هذا عندکم فقالا اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت فاذهب فانه قد رخص لنا فی اللهو عند العرس۔ (نسائی)

ترجمه

"عامر بن سعد فرماتے ہیں کہ میں ایک شادی میں قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری پر گذرا تو دیکھا کہ کنیزیں گا رہی ہیں، میں نے کہا کہ تم رسول خدا کے صحابی ہو اہل بدر سے ہو اور تمھارے سامنے ایسا فعل ہو رہا ہے۔ دونوں نے بالاتفاق فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور سنو اگر جی چاہے تو، ورنہ چلے جاؤ۔ ہمیں تو شادی کے موقع پر لہو کی اجازت ہے۔"

اس کے علاوہ اور بھی احادیث اس مضمون کی ہیں جن کو میں نے نقل نہیں کیا ہے اہل انصاف کے لیے یہ ہی کافی ہیں، اہل جدل کا علاج ہی کیا ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عشقیہ اشعار گانا اور سننا اور کہنا جائز ہے یا نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فاما النسيب وهو التشبيب بوصف الخدود والا صداغ وحسن القد والقامة وسائر اوصاف النساء فهذا فيه نظر والصحيح انه لا يحرم نظمه وانشاؤه بلحن وغير لحن وعلى المستمع ان لا ينزله على امرأة معينة فان نزله فلينزله على من يحل له من زوجته وجاريته فان نزله على اجنبية فهو العاصي بالتنزيل۔“

”نسیب“ وہ تشبیب ہے۔خال وخد حسن قد وقامت اور عورتوں یا محبوبوں کے تمام اوصاف کے ساتھ اور یہ قابلِ فکر ونظر ہے۔صحیح یہ ہے کہ اس کا نظم کرنا اور گا کر یا بغیر گا کر پڑھنا حرام نہیں ہے۔سُننے والے کو چاہیے کہ وہ ان اشعار کا مفہوم ومصداق کسی فرد معین کو نہ بنائے اور اگر اس کا تخیل بغیر اس کے نہیں رہ سکتا تو اپنی بیوی اور لونڈی کو یا اور کسی جو اس کے لیے حلال ہو مطمح خیال بنانا چاہیے اور اگر کسی نامحرم کو ان اشعار اور مضامین کا مصداق قرار دے گا تو اس فعل کے سبب سے گنہگار ہوگا،صاحب نغائم الاشواق فرماتے ہیں:

”كذا قال ابراهيم الشامي في فتاوى الكبرى وان تغنى بشعر فيه فحش يقبل شهادته لانه يحكي عن غيره وعليه الفتوى“۔

ترجمه: ابراہیم شامیؒ نے فتاویٰ کبری میں بھی یہی کہا ہے کہ اگر کسی نے فحش شعر گایا تو اُس کی شہادت مقبول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ وہ دوسروں سے حکایت ہے۔

دوسرا قول جملہ معترضہ ہے ورنہ تعریفِ خدوخال وچشم ابرو فحش نہیں ہے۔ہزل اور غزل میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے کلیات میر اور دیوان جان صاحب ایک صف میں

شمار نہیں ہو سکتے۔

نسیب عربی اشعار کی ایک قسم ہے اس کا موضوع مخصوص عورتوں کے عشق کا تذکرہ ہے۔ نسیب، تشبیب اور غزل کا موضوع ہی عشق مجازی اور تعریف حسن و بیان جذبات ہے۔ سلفاً خلفاً سب نے اس قسم کے اشعار کہے ہیں۔ علما و فصحائے عرب و عجم کے بے تعداد دیوان اس قسم کے اشعار سے بھرے ہوئے ہیں اور جب صحابہ نے ایسے اشعار کہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے ہیں تو ناجائز چہ معنی دارد۔

کعب ابن زہیر شاعر مشہور و صحابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصیدہ عرض کیا اس کے چند شعر عرض کیے جاتے ہیں اس پر حضورؐ خوش ہوئے اور بردہ[1] شریف اُن کو عنایت فرمائی۔ یہ واقعہ صحاح سے ثابت ہے اور مسلم ہے اور صحاح کے علاوہ امام بیہقی نے اور حاکم ابن مردویہ نے مستدرک میں اور علامہ عبدالبر نے استیعاب میں تحریر کیا ہے اس قصیدے کو بانت سعاد کہتے ہیں اور اکثر حضرات میں بطریق ورد کے پڑھا جاتا ہے ملا علی قاری نے اس کی شرح فرمائی ہے۔ اب اس کی تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم مبتول — متیم اثرها لم یفد مکبول

وما سعاد غداة البین اذ رحلت — الا اغن غضیض الطرف مکحول

هیفاء مقبلة عجزاء مدبرة — لا یشتکی قصر منها ولا طول

اکرم بها خلة لو انها صدقت — موعودها او لو ان النصح مقبول

---

[1] ایک قسم کی چادر۔

لکنہا خلة قد سیط من دمہا　　فجع و ولع و اخلاف و تبدیل

''سعاد (نام) مجھ سے جدا ہوگئی اور آج میرا دل سب سے بیزار ہے۔ اُس کا غم ایسا ہے جس سے میں فدیہ دے کر بھی رہا نہیں ہوسکتا۔ جدائی کے وقت سعاد کس قدر خوش آواز سرگین چشم اور کوتاہ نظر تھی۔ آگے سے اس کی کمر باریک معلوم ہوتی ہے اور پیچھے سے اس کے سرین بڑے معلوم ہوتے ہیں اس کا بدن اور اعضا موزوں اور متناسب ہیں۔ وہ کیا اچھی معشوقہ ہے اگر وعدے کی سچی ہو یا نصیحت مان لے، مگر وہ تو ایسی ہے جس کے خون میں ستم، جھوٹ وعدہ خلافی اور مکر جانا شامل ہے۔''

علاوہ ازیں تائیداً کچھ اشعار اسی قسم کے اہل عرب میں سے مخصوص شعرا اور ممتاز بزرگوں کے پیش کرتا ہوں۔

حضرت امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ وعلی نبینا وعلی آلہ وعزتہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر جو بعد از رحلت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا آپ نے فرمائے تھے:

حبیبٌ لیس یعدلہ حبیب　　وما لسواہ فی قلبی نصیب

حبیبٌ غاب عن عینی و جسمی　　وعن قلبی حبیبی لا یغیب

''وہ ایسا دوست ہے کہ اس کی کوئی برابری نہیں کرسکتا۔ میرے دل میں اس کے سوا اور کسی کی گنجائش نہیں ہے، میرا حبیب میری آنکھوں اور میرے جسم سے جدا ہوگیا ہے، مگر میرے دل سے جدا نہیں ہوسکتا۔''

مسلم ابن ولید انصاری

تاملتہا مغترة فکانما　　رأیت بہا من سنة البدر مطلعا

اذا ما ملأت العين منها ملاتها　　من الدمع حتی انزف الدمع اجمعا

"وہ غافل تھی اور میں نے اسے دیکھا۔ اس وقت میں گویا چودھویں رات کے چاند کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے رخ سے طلوع ہو رہا ہے۔ جب میں اس کو نظر بھر کے دیکھتا ہوں تو میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں اور اتنا روتا ہوں کہ آنسو ختم ہو جاتے ہیں۔"

ابوالاسود الدؤلی:

ابی القلب الا ام عمرو وحبها　　عجوز او من یحب عجوزا یفند

کثوب الیمانی قد تقادم عهده　　ورقعة ما شئت فی العین والید

"میرا دل ام عمرو کے سوا سب کی محبت سے انکار کرتا ہے حالانکہ وہ عمر رسیدہ ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ جو بڑھیا سے محبت کرتا ہے وہ بے وقوف اور بدحواس کہلاتا ہے، مگر اب تک وہ اس یمنی کپڑے کی مانند ہے جس کے پُرانے ہونے کے باوجود آنکھ اور ہاتھ کو خوبی نرمی اور صفائی کے لحاظ سے پورا حظ حاصل ہوتا ہے۔"

جمیل ابن عبداللہ العذری:

بثينة ما فيها اذا ما تبصرت　　معاب ولا فيها اذا نسبت اشب

لها النظرة الاولی علیهم وبسطة　　وان کرت الابصار کان لها العقب

"غور سے دیکھو تو میری معشوقہ بثینہ میں کوئی عیب نہیں ہے، نہ اس کے نسب میں کوئی فیہ ہے۔ از روئے اخلاق پہلی نظر اس کی ہوتی ہے اور اگر نگاہوں میں تکرار ہو اور بار بار ایک کی دوسرے پر نظریں پڑیں تب بھی آخری نظر اُسی کی ہوگی۔"

ابوبکر بن عبدالرحمٰن الزہری القرشی:

ولما نزلنا منزلا طله الندی ... اینقا وبستانا من النور حالیا
اجد لنا طیب المکان وحسنه ... منی فتمنینا فکنت الا مانیا

''جب ہم ایسے باغ میں فروکش ہوئے، جس کو ہلکی بارش نے نم آلود کر دیا تھا تو اس جگہ کی خوبی نے دل میں نئی آرزوئیں پیدا کیں اور ان سب آرزوؤں اور تمناؤں کا مجموعہ تو تھی۔

خلید مولی عباس:

دعاک اللہ یا سلمی رعاک ... و دارک باللوی ذات الاراک
قتلت بفاحم وبذی غروب ... اخا قوم وما قتلوا اخاک

''اے سلمی خدا تیری اور تیرے گھر کی حفاظت کرے، جو مقام لوی میں ہے اور جہاں پیلو کے درخت بہ کثرت ہیں۔ تو نے اپنے سیاہ بالوں اور چمکدار دانتوں سے مجھے مار ڈالا حالانکہ میری قوم نے تیرے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل نہیں کیا۔''

ابوعطا السندی:

ذکرتکِ والخطی یخطر بیننا ... وقد نهلت منا المثقفة السمر
فواللہ ما ادری وانی لصادق ... اداء عرانی من حبابک ام سحر
فان کان سحرا فاعذرینی علی الهوی ... وان کان داء غیره فلک العذر

''مجھے اس وقت بھی تیری یاد آئی جب نیزے ہل رہے تھے اور انھوں نے ہمارے خون پی لیے تھے۔ بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا اور میں سچ کہتا ہوں کہ یہ درد محبت ہے یا جادو...... اگر جادو ہے تو مجھے محبت میں معذور سمجھ اور اگر درد ہے تو تو معذور ہے، میرا قصور ہے۔

کثیر ابن عبدالرحمٰن:

وددت وما تغنی الودادة اننی بما فی الضمیر الحاجبية عالم
فان کان خیرا اسرنی وعلمته وان کان شرا لم تلمنی اللوائم
وما ذکرتک النفس الا تفرقت فریقین منها عاذرلی ولائم
فریق ابی ان یقبل الضیم عنوة و آخر منها قابل الضیم راغم

''میرا دل چاہتا ہے کہ عزہ حاجبیہ کے دل کی بات مجھے معلوم ہو جائے، مگر یہ بیکار ہے اس لیے کہ اگر اسے میری محبت ہے تو مجھے خوشی ہوگی اور اگر نفرت ہے تو ملامت کرنے والیاں مجھے ملامت کریں گی کہ معشوقہ کو چھوڑ دیا۔ جب میں نے تجھے یاد کیا ہے میرا دل دو فریق ہو گیا ہے، ایک فریق مجھے محبت میں معذور سمجھتا ہے اور دوسرا ملامت کرتا ہے اور ایک تیرے ظلم کو برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے اور دوسرا فریق ہر ذلت اور ظلم کو بخوشی منظور کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔''

نصیب مولی عبدالعزیز:

لقد هتفت فی جنح لیل حمامة علی فنن وهنا وانی لنائم
فقلت اعتذارا عند ذاک واننی لنفسی ما قدر أیت للائم
أ ازعم انی هائم ذو صبابة لسعدی ولا ابکی وتبکی الحمائم
کذبت وبیت اللّٰه ولو کنت عاشقا لما سبقتنی بالبکاء الحمائم

''پچھلی رات تھی اور میں سونے ہی کو تھا کہ ایک شاخ پر قمری بولی۔ اس وقت جب میں اپنے آپ کو معذور سمجھے ہوئے تھا، میں نے اپنے دل میں ملامت کرتے ہوئے کہا کیا میں سمجھتا ہوں کہ میں سعدیٰ کے عشق میں بے چین اور بے قرار ہوں،

حالانکہ قمریاں رو رہی ہیں اور میں نہیں روتا۔ قسم ہے کعبہ کی میں جھوٹا ہوں، ورنہ قمریاں مجھ سے رونے میں سبقت نہ لے جاتیں۔"

امام صالح ابوعبداللہ محمد بن سعید بن حسن بوسری ولاضی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مقبول قصیدے بردہ شریف کی تشبیب کے چند شعر۔

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعا جری من مقلة بدم

ام هبت الریح من تلقاء کاظمة او اومض البرق فی الظلماء من اضم

فما لعینیک ان قلت اکففا همتا وما لقلبک ان قلت استفق یهم

"ذی سلم کے ہمسایوں کی یاد میں تو نے گوشۂ چشم سے خون ملے ہوئے آنسو بہائے ہیں یا کاظمہ (کوئے دوست) کی طرف سے کوئی ہوا آئی یا اندھیری میں اضم پہاڑ کی جانب سے بجلی چمکی۔ اس وقت تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اگر تو کہتا ہے نہ روؤ تو وہ روتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہو گیا ہے کہ اگر تو کہتا ہے سنبھل جا تو وہ اور پریشان ہوتا ہے۔

قولِ فیصل پر ایک نظر

محققین صوفیہ کا خیال ہے کہ گانا سننا اس کے لیے جائز ہے جس میں اس کی اہلیت ہو اور نا اہل کے لیے ناجائز ہے۔ حضرت شیخ ابو علی دقاق، حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد بخاری دہلوی رضی اللہ عنہم اور ہمارے مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے یہی ثابت ہے مگر یہ فیصلہ ان اہل حقائق و معارف کا ہے جن کا خیال ہے کہ ایک دم خدا کی یاد سے غافل ہونا حرام ہے (دمش بے یاد او بودن حرام است) اس لیے اس کو دلیل میں پیش نہیں کر سکتے اور اسی واسطے یہ بات علمائے ظاہر کی زبان سے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ جب یہ کہا جائے کہ گانا سُننے سے جن لوگوں کے قوائے شہوانی میں ترقی ہو یا بُرا خیال پیدا ہو، ان کو گانا سُننا حرام ہے۔ تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر وہ چیز حرام ہے، جس سے قوائے شہوانی میں ترقی ہو۔ آب رواں، سبزہ اور مناظر دلکش دیکھنا اور صوتِ عنادل سننا یا ادویہ اور اغذیہ مقویہ کا استعمال کرنا یہ سب ناجائز ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے خلاف نص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ سے وساوس و خطرات کو معاف فرما دیا ہے اور کسی خیال و قصد پر جب تک مواخذہ نہیں ہے، جب تک کہ وہ عملی صورت میں

ظاہر نہ ہو۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

''عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها مالم تعمل به او تتكلم''

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت سے وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے، جب تک کہ ان کو زبان سے نہ کہے یا عمل نہ کرے۔'' (بخاری و مسلم)

''وعنه قال جاء ناس من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فساء لوه انا تجد فی انفسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به قال اوقد وجدتموه قالوا نعم قال ذاک صريح الايمان''۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں کہ چند صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے جی میں ایسی باتیں پاتے ہیں کہ ان کو زبان سے کہنا بارِ عظیم ہے اور بہت ہی بُرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس کیفیت (آخر الذکر) کو محسوس کرتے ہو۔ عرض کیا ہاں، فرمایا کہ یہ تو ایمان کی صریح نشانی ہے۔ (رواہ مسلم)

البتہ اگر شریعت کو روحانیت سے علاحدہ نہ کیا جائے (جیسا کہ کر لیا گیا ہے) تو یہ بات کہ نا اہل کے لیے سماع حرام ہے اخلاقاً بالکل بجا و درست ہے اور اس وقت یہ بات ضرور قابل لحاظ ہے کہ وہ فاسق فاجر لوگ جن کے دل اور دماغ پر مخرب اخلاق تخیل مسلط ہو چکا ہے ان کو عورتوں اور لڑکوں کا گانا سُننا حرام قطعی ہے بلکہ مردوں کا گانا

سُننے سے بھی انھیں پرہیز لازمی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے معین اور اُن کی مطلوبہ صورتیں تعریف خدوخال سُنتے ہی آجاتی ہیں۔ قوائے شہوانی سے فوراً مغلوب ہوجاتے ہیں اور دنیا کی کوئی لذت اس وقت انھیں اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتی۔ رقص و سرود اور اشعارِ عشقیہ تو چیزے دیگر اں لوگوں کو غیر عورتوں سے قرآن بھی سُننا جائز نہیں ہے۔ علما و ائمہ کے جس قدر اقوال گانے کی حرمت کی بابت ہیں، انھیں لوگوں کے واسطے ہیں۔ "احیاء علوم میں ہے۔" لیکن فضیل کا یہ قول کہ گانا زنا کا افسوں ہے اور اس کے قریب قریب دوسرے اقوال وہ سب فساق اور مغتلمین جوانوں کے لیے ہیں ورنہ اگر یہ بات عام ہوتی تو رسولؐ کے گھر میں ان دونوں کنیزوں کا گانا نہ سُنا جاتا۔"

لہٰذا ان اسباب پر نظر رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ گانا سُننا ہر شخص کے لیے یا مطلقاً ناجائز ہے۔ مثلاً تجارت جو مباح اور حلال ہے جمعہ کی اذان ہونے کے بعد ناجائز ہوجاتی ہے اور قرض کا لین دین جو جائز ہے سود کی وجہ سے حرام ہوجاتا ہے۔ اسی طرح شہد حلال ہے، لیکن اُسے جسے نقصان شدید پہنچائے حرام ہے اور شراب جو حرامِ قطعی ہے مجبوری کے وقت اور جان بچانے کے لیے حلال ہے۔

علی ہذا قاضی ابوالطیب طبری نے جو بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں علماء و ائمہ مثلاً شافعی و مالک وغیرہ نے گانا سُننے سے روکا ہے وہ بھی انھیں لوگوں کے لیے ہے ورنہ حرام مطلق کوئی نہیں کہتا ہے۔ احیاء علوم میں ہے "**وما الشافعی رضی اللہ عنه فلیس تحریم الغناء من مذهبه اصلا**" (شافعیؒ کے مذہب میں گانا ہرگز حرام نہیں ہے) نغائم الاشواق میں ہے۔ "حجۃ الاسلام ابوالوفا ابن عقیل نے اپنی کتاب الفصول میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے گانا سُنا ہے اور ایسا ہی حافظ محمد بن اعلی بن

مقلدی نے بیان کیا ہے اور تذکرۃ الحمدونیہ میں بھی یہی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کہ امام محمد بن حسن (امام محمد) نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھانے یا ولیمے میں مدعو کیا گیا اور وہاں کھیل کود یا گانا ہوا تو اگر وہ بیٹھ گیا اور کھانا کھالیا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ کنز میں ہے کہ ایک شخص ولیمہ یا کھانے کے لیے مدعو کیا گیا اور وہاں پہنچ کر کھیل کود اور گانا پایا تو کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ بیٹھ جائے اور کھالے اس لیے کہ وہ حرام نہیں ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابویوسف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا گانا اور دف شادی کے علاوہ سُننا مکروہ ہے۔ فرمایا کہ نہیں مگر جب فحش ہو۔ صاحب الحمدونیہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور سفیانِ ثوری رضی اللہ عنہما سے گانے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ نہ وہ گناہ کبیرہ ہے نہ صغیرہ ہے۔ امام خطیب البغدادی نے فرمایا ہے کہ امام صاحب سے ایک جاہل نے گانے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ کوئی اس کا منکر نہیں ہے سوائے جاہل یا عامی غلیظ الطبع کے۔ کذا نقل امام حجۃ الاسلام والاستاذ ابومنصور القفال المروزی۔ اور فتاوی العنایۃ میں ہے کہ امام ابویوسف سے سوال کیا گیا کہ کیا گانا سننا جائز ہے۔ فرمایا ہاں جائز ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شمائل الاتقیا میں لکھا ہے کہ مذہب امام ابوحنیفہ میں گانے کی حرمت میں کوئی روایت صریح نہیں ہے بلکہ ہر روایت مقید بقید لہو ہے۔

شرح الکافی المسمی بالمحمدی صنفہ ابن علی الشامی میں ہے کہ وہ گانا سُننا ہمارے علما کے نزدیک مکروہ ہے جو لہو کے طریق پر ہو اور گناہ کے خیال سے ہو فاسقوں کو جمع کیا جائے نماز اور قرأت قرآن کو ترک کر دیا جائے، لیکن وہ شخص جو نمازی ہو اور قرآن

پڑھتا ہو نیک لوگوں میں سے ہو اس کے لیے گانا سننا حلال ہے اور اس صورت میں ہمارے علما میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس وقت اُن کا مقصود گانا سُننے سے حضورِ خدا اور وجہ اللہ ہوتا ہے اور خدا کو یاد کرتے ہیں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور یہ سب باتیں اچھی اور محمود ہیں۔ اسی طرح سے تواجد اور رقص بھی اسی کے تحت میں ہیں۔ شرح الزودی المسمی بالنووی میں لکھا ہے، جس کو ابوالقاسم محمد بن عبداللہ الدمشقی نے تصنیف کیا ہے کہ جس گانے میں ہمارے علما میں اختلاف ہے وہ گانا وہ ہے جو بطریق لہو ولعب ہو اور شرابی فاسق بے نمازی اس میں جمع ہوں، لیکن اگر ایسا آدمی گانا سُنے جو نیک اور دائم الصلوٰۃ ہو تو حلال ہے اور اس میں ہمارے علما میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح رقص اور تواجد اور اس میں سے ہر ایک کے بارے میں حدیثیں وارد ہیں اور ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے کیا ہے۔ بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں ہے کہ امام شمس الائمۃ السرخسی نے گانے کو جائز کیا ہے۔ شادی اور مسافر کے سفر سے واپس آنے کے وقت، ختنوں کے وقت اور اُس وقت جب کہ اللہ کے بندوں کے دلوں میں رقت پیدا ہو۔'' (نغائم)

اسی طرح سے وہ اشعار جن سے شریعت کی توہین ہوتی ہو ان کا گانا سُننا اور کہنا سب ناجائز ہے اور اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو سماع اور گانے سے کچھ خصوصیت سے متاثر نہیں ہوتے اور انھیں اُس سے کچھ ذوق پیدا نہیں ہوتا، مگر جتنا کہ مقتضائے حیات ہے اُن کے لیے اخلاقی نقطۂ نظر سے گانا بھی لہو ولعب میں شامل ہے، مگر حرام نہیں ہے اس لیے کہ دنیا ہی لہو ولعب ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ''انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو'' دیکھو

حدیث نمبر ۱۰۱۔ تاہم جن فقہا نے یہ فرمایا ہے کہ وہ گانا سُننا حرام ہے جس میں لہو ولعب ہو، تو در حقیقت اُنھوں نے گانے کی بڑی قدر کی ہے اور اُس کی ناقدری سے روکا ہے۔ ملاحظہ ہو نماز قرآن وغیرہ میں لہو ولعب ناجائز ہے اس کے خلاف ملاعبۃ الرجل مع امرتہ وغیرہ حدیث سے جائز ہے یعنی اپنی عورت کے ساتھ لہو ولعب اور تیر کمان اور گھوڑے کا کھیل جائز ہے۔ اسی طرح جن علما نے فرمایا ہے کہ گانے والے کی شہادت مقبول نہیں ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا پیشہ گانا بجانا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ خود ہمارے زمانے میں بھی اس پیشے والوں کی کیا وقعت ہے فقہا کا یہ حکم اس رتبہ کے لحاظ سے ہے جو تمدن نے اس پیشے کا قائم کیا ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گانا سُننا یا گانا حرام ہے اس لیے کہ جو شخص بازار میں کھائے اس کی بھی شہادت مقبول نہیں ہے حالانکہ بازار میں کھانا حرام نہیں ہے، بلکہ اس کا اثر اُس شخص کی حیثیت پر پڑتا ہے، باعتبار رسم ورواج کے ایسے افعال غیر ثقہ ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔

اور بعض وہ صحیح الفطرت اور صاحبان مذاق صحیح ہیں جنھیں ان چیزوں سے سرور و انبساطِ قلب پیدا ہوتا ہے فکر کی کوفت کم ہوتی ہے اور جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے ان کے لیے گانا سُننا مباح ہے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انھیں میں وہ مبتدی بھی شامل ہیں جو طالبین معارف وروحانیات ہیں۔

اور جو لوگ کہ اہلِ عرفان اور اہل سوز و درد ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ اُن کا منتہائے نظر وجود حقیقی کے سوا اور کچھ نہیں ہے ان کے کانوں کے پردے سرمدی ترانوں اور ازلی نغموں سے پُر ہیں وہ اور ان کا سماع واستماع حق ہے اور حق سے ہے

وہ عاشقِ مست اور قتیل محبت ہیں۔ حدیثِ قدسی: ''من قتلته فانا دیته'' (میں اپنے مقتول کا خون بہا ہوں) ان کی شان میں ثابت ہے درحقیقت وہ مسند آریاں قدس اس بحث کے موضوع سے بالا و برتر ہیں۔

موسیا آداب داناں دیگر اند

سوختہ جاں در داناں دیگرند

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جتنی حدیثیں گانے کے جواز کی سند میں پیش کی گئی ہیں اور ان کے علاوہ جتنی حدیثوں میں گانے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ان سب سے یہ ظاہر ہے کہ گانے والی عورتیں (لونڈیاں) تھیں۔

بعض علما تاویل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جاریہ سے مراد نابالغ لڑکیاں ہیں، مگر یہ تاویل چند وجوہ سے بیکار ہے۔ اول یہ کہ جب آپ گانے ہی کو ناجائز فرماتے ہیں تو بالغ نابالغ عورت مرد کی تخصیص نہیں ہے۔ پہلے یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ گانا سُننا جائز ہے اس کے بعد یہ تاویل مفید ہوسکتی ہے کہ نابالغ لڑکیوں کا گانا سُننا جائز ہے اور بالغ عورتوں کا ناجائز ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث نمبر ۸ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے گانے کے لیے فرمایا ہے اور جمع کے صیغہ سے مخاطب کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اس حکم میں اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ اُمام تورپشتی اس مقام پر فرماتے ہیں: ''المراد منه من یتغانی، ذالک من الاماء و السفلة فان الحرائر من النساء العرب یستنکفن من ذلک لا سیما فی الاسلام'' (حاشیہ مشکوٰۃ)

اس حکم میں مراد وہ عورتیں تھیں جو گاتی تھیں لونڈیاں اور کمین اس لیے کہ عرب

کی آزاد عورتیں اس کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں خصوصاً اسلام میں (یہی حال ہمارے ہندوستان میں ہے)۔

ظاہر حدیث سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ اگر امام تورپشتی کی تاویل صحیح ہے تو بھی ہمارا مقصود ثابت ہے۔ حبشیہ کے رقص کا جس حدیث میں ذکر ہے اس میں کوئی قرینہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ نابالغ تھی اسی طرح وہ لونڈی جس نے نذر مانی تھی اور حضور نے فرمایا تھا کہ اگر تو نے نذر مانی ہے تو گا۔ ظاہر ہے کہ نابالغ ایفاءِ نذر کا مکلّف نہیں ہے۔ قاضی ابو مروان اور عطاؒ کی کنیزوں کے گانے کا ذکر شروع میں بیان ہو چکا ہے۔

اس سے مقصود صرف بیان واقعہ ہے۔ ورنہ یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ فساق کو اور جن کی طبائع میں کثافت ہے ان کو ہرگز عورتوں کا گانا نہیں سُننا چاہیے اور فقہاً حرام ہے۔

اسی طرح مسجد میں اگر چہ گانا سُننا ناجائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کا کھیل مسجد میں ملاحظہ فرمایا ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ مسجد کو بازیگاہ اور اکھاڑہ بنا لیا جائے یہ ناجائز ہے اگر وہ حبشی بار بار کھیل کود کرتے تو ضرور منع کیے جاتے۔ جیسے کہ مزاح اور خوش طبعی جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ سلم سے یہ فعل ثابت ہے، لیکن اگر خوش طبعی اور مزاح کسی کی عادت ہو جائے تو وہ مسخرہ ہے۔ صاحب نغائم الاشواق فرماتے ہیں کہ مسجد میں گانا سُننا نہیں چاہیے، اس لیے کہ مسجد فرائض کے واسطے ہے اور نوافل و مستحبات کے لیے دوسری جگہ موزوں ہے۔

تقلید

بعض اہل عقل تمام دلائل تسلیم کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ گانا اور ساز دلائل سے قطع نظر کر کے مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں ناجائز ہے۔ اس اعتراض میں چند وجوہ قابل نظر ہیں۔ اول یہ کہ تقلید معروفہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جس پر مدارِ کفر و ایمان ہو بلکہ مدارِ نجات و عدم نجات بھی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد اور دوری سے مجبوریوں نے دین میں جن ضروریات کا اضافہ کیا ہے ان میں سے ایک یہ تقلید بھی ہے۔ یہ بدیہی ہے کہ تحقیق ہر جزیہ میں مجبور تقلید نہیں۔ پھر بھی امام صاحب گانے کو قطعاً حرام نہیں فرماتے ہیں بلکہ شادی، عقیقہ اور ختنہ وغیرہ کے موقع پر اجازت دیتے ہیں، جس سے خود ثابت ہے کہ سرور کے موقعوں پر گانا سُننا حلال ہے، جیسا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جن لوگوں نے گانے کی حرمت کے متعلق ائمہ کے اقوال بیان کیے ہیں ان سب سے گانے کی مطلقاً حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ دف سے ہو یا بغیر دف کے اور میں ایک دفعہ یہ پھر عرض کروں گا کہ علماء عرب و عجم کا عمل اس کے بالکل خلاف ہے، پس اگر وہ سب تقلیدِ امام سے باہر ہیں تو ہم بھی باہر ہیں، مگر مجھے یہ دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک جزئیہ کے اختلاف سے کوئی تقلید سے باہر نہیں ہو سکتا ملاحظہ

فرمایئے فقہ حنفی کو کہ علمائے متاخرین جہاں چاہتے ہیں امام ابوحنیفہ کے اقوال پرعمل کرتے ہیں اور جہاں امام محمد وامام ابو یوسف کے دلائل مضبوط دیکھتے ہیں توان کے اقوال پرعمل کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ''علیہ الفتویٰ'' میں نے خود علما کو کہتے سُنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ان ضروریات کو محسوس نہیں فرما سکتے تھے جو امام ابو یوسف کو دورانِ قضا میں پیش آتی تھی۔ میں صاحبین پر کسی قسم کی حرف زنی نہیں کرسکتا اس وجہ سے بھی کہ جواب دیا جائے گا کہ وہ خود مجتہد تھی (اگرچہ بیشتر مسائل میں امام اعظم کے مقلد ہیں) مگر وہ علما کیا جواب دیں گے جو اقوال امام کو چھوڑ کر صاحبین کی رائے پر عمل فرماتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حنفیوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو امام اعظم کی عقائد میں تقلید کرتا ہو۔ فقہ اکبر جو مستند و مسلم طور پر امام صاحب کی تصنیف ہے آج نہیں بلکہ عرصہ دراز سے بیکارِ محض ہے اس کے خلاف حنفی اکثر و بیشتر بلکہ سب کے سب سوائے صوفیۂ کرام کے امام ابومنصور ماتریدی کے عقائد میں مقلد ہیں۔ لہٰذا جب ایمانیات وعقائد میں تقلید نہ کرنے سے کوئی مجرم نہیں سمجھا جاتا تو فقہ کے ایک جزئیہ کے اختلافات سے کیا نقص لازم آسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ اختلافات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی پوری تقلید ہوتی ہو۔

یہ میں نے اپنی عقل وفہم کے لائق عرض کیا ہے صاحبِ نغائم الاشواق نے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا ہے۔

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ نے اگر سماع کو ناجائز فرمایا ہے تو اس سے وہی سماعِ فحش و مضل مراد ہے نہ سماع مطلق ورنہ دو الزام آتے ہیں کفر اور فسق نعوذ باللہ۔ اس

واسطے کہ احادیث اس اعتبار سے کہ ہم تک پہنچی ہیں، تین قسم کی ہیں ایک متواتر الاصل اور متواتر الفرع جیسے کہ نماز اور زکوٰۃ کی حدیثیں پس ان کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ دوسرے احادیث آحاد الاصل مشہور الفرع جیسے بخاری و مسلم کی وہ احادیث جن کی تنقید نقادانِ فن مثلاً امام دار قطنی وغیرہ نے کی ہے ان کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔

تیسرے وہ احادیث جو آحاد الاصل اور آحاد الفرع ہیں، جیسے حدیث ''انا من اللہ والمومنون منی'' وغیرہ پس ان کے انکار کرنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے نہ کافر ہے نہ فاسق ہے۔ اور ہم نے جو احادیث اباحتہ السماع اور صوت الدف اور اشعار کے بارے میں بیان کی ہیں وہ آحاد الاصل اور مشہور الفرع ہیں۔ لہٰذا ان حدیثوں کا انکار کرنے والا فاسق ہے اور اگر کوئی امام ابوحنیفہ کے قول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ترجیح دے تو وہ بالاتفاق سب کے نزدیک کافر ہے۔ دوسرے یہ کہ فقہ کی کتابوں میں یہ شرط نہیں ہے کہ ان کا لکھنے والا عادل اور ثقہ ہو ممکن ہے کہ کاتب اول یا ثانی وثالث نے اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہو یا کم کر دیا ہو بخلاف احادیث کے کہ اس کی روایت کو صحیح مان لینے کے لیے عدالت شرط ہے، لہٰذا حدیث کے مقابلے میں فقہ پر عمل نہیں کر سکتے اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ روایت جب حلال وحرام دونوں کی ایک شے کے بارے میں موجود ہو تو حرام ہونے کی روایت کو ترجیح دی جائے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ فقہائے حنفیہ میں سے عالم اور فقیہ متجر ابن الہمام نے اپنے رسالے میں جس کا نام ''التمسک باقوی الدلائل عند اختلاف المسائل'' ہے تحریر فرمایا ہے کہ روایتِ حرمت کو اس وقت ترجیح ہوتی ہے جب حرمت اور اباحت کا ثبوت برابر کو ہو، لیکن اگر اباحت احادیث صحیحہ سے ثابت ہو اور

حرمت دلائل فقہیہ سے تو اباحت پر اعتقاد واجب[1] ہے۔'' ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جواز خبر آحاد سے ثابت ہو جاتا ہے، لیکن حرمت خبر آحاد سے ثابت نہیں ہوتی۔'' (نغائم)

اور ہم تو ان دلائل فقہیہ کو جن سے گانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ وہ اس گانے کی بابت ہیں جو فحش اور گمراہ کن ہو۔ یہ بات بغیر دلیل کے نہیں ہے بلکہ فقہ کی تمام کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ گانا سُننا صرف ایام عید و ولیمہ وغیرہ کے موقعوں پر جائز ہے اس کے علاوہ ناجائز ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ احادیث میں زیادہ تر واقعات گانے کے ایام عید و نکاح ہی کے ہیں تب بھی یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس کے علاوہ اور کوئی واقعہ گانے کا ثابت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث نمبر ا و ۲ و ۳ و ۴۔

دوسرے یہ متفقہ ہے کہ اگر ایک فعل کا سبب خاص ہو تو اس کا حکم عام ہوتا ہے، قرآن شریف کی آیات کا شانِ نزول مخصوص واقعات اور ضروریات ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً حیات مبارکہ میں پیش آئے، لیکن اُن کا حکم عام اور الی یوم القیامت عام رہے گا اب اگر کوئی کہے کہ فلاں آیت فلاں صحابی کے معاملہ میں نازل ہوئی تھی ہم اس کا مکلّف نہیں تو یہ عذر شریعت میں قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ

---

[1] یہ جواب تو ہمیں اس وقت دینے کی ضرورت ہوتی ہے جب ہم علما کے ان بنائے ہوئے قاعدوں کو تسلیم کر لیں۔ ورنہ حضرت امام غزالی احیاء علوم کی اسی بحث میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک واقعہ سے اباحت ثابت ہو جائے تو حرمت کے واقعات کو اگر چہ وہ سو جگہ ہوں دوسرے اسباب پر محمول و مؤول کر سکتے ہیں اور اباحت ہی کو ترجیح دیں گے۔ (میکش عفی عنہ)

ثابت کر دیا جائے کہ قرینہ اور الفاظ اس کے خلاف ہیں یا حضور نے یہ فرما دیا ہے کہ یہ حکم میرے لیے مخصوص ہے تو خیر (مثلاً صوم وصال) مگر گانے کی بابت ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ گانا صرف عید و نکاح کے موقع پر جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

میرا خیال ہے کہ گانے کے جواز میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ کافی ہے زیادہ طول بیجا حل ہے اب صرف یہ باقی ہے کہ گانے کے حرام سمجھنے والوں کی دلیلوں کو رد کر دیا جائے اس کے بعد قصہ تمام ہے۔ اس بارے میں حضرت امام غزالیؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کافی سے زیادہ ہے، مناسب ہے کہ امام صاحب موصوف کی عبارت کا تھوڑا سا حصہ نقل کر دیا جائے۔ پوری عبارت کا ترجمہ اس لیے بیکار ہے کہ جتنے دلائل ہیں وہ سب محض گانے کو حرام ثابت کرتے ہیں اور ان کا جواب امام غزالیؒ نے دے دیا ہے۔ اس وقت مجبوراً ایک دفعہ یہ پھر عرض کرتا ہوں کہ محض گانے کو آج کل کوئی حرام نہیں کہتا اس لیے اس کا بیان فضول ہے تاہم میں سمجھتا ہوں کہ محض گانے کو بھی مع اس کے متعلقات کے میں ثابت کر چکا ہوں۔ جو صاحب مفصل دیکھنا چاہیں وہ احیاء علوم کو ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: گانے کو ناجائز کہنے والے دلیل لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث — "بعض وہ لوگ ہیں جو لہو الحدیث کو خریدتے ہیں۔"

اور ابن مسعود و حسن بصری و نخعی نے فرمایا کہ لہو الحدیث سے مراد گانا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قینہ اور اُس کے بیچنے کو اس کی نمتیت اور اس کی تعلیم کو حرام کیا ہے۔

قینہ سے مراد وہ لونڈی ہے جو شراب کی مجلسوں میں مردوں کو گانا سُناتی ہے۔ ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اجنبی عورت کا گانا سُننا فاسقوں اور ان کو جن سے فتنہ کا خوف ہو حرام ہے اور شرابیوں کا مقصد اس وقت وہی فعل حرام ہوتا ہے، پس کنیز کا اپنی مالک کو گانا سُنانا اس حدیث سے حرام نہیں ہوسکتا بلکہ اگر فتنے کا خوف نہ ہوتو اور مردوں کو بھی اس کا گانا سُننا حرام نہیں ہوسکتا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے روایت کی ہے، جس میں دو لونڈیوں کا حضرت عائشہؓ کے گھر میں گانا روایت کیا گیا ہے (اور لہوالحدیث کا جواب یہ ہے) لہوالحدیث کا دین کے عوض میں مول لینا مراد ہے تا کہ اللہ کے راستے سے گمراہ ہوں۔ (پوری آیت یہ ہے: ''ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا '') پس وہ حرام ہے اور برا ہے۔ اس صورت میں کوئی نزاع نہیں ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہر گانا دین کے عوض میں خریدا گیا نہیں ہوتا اور نہ اس لیے ہوتا ہے کہ اُس کے سبب سے اللہ کے راستے سے گمراہ ہوں اور آیت سے یہی مراد ہے ورنہ اگر قرآن کوئی اس لیے پڑھی کہ اللہ کے راستے سے گمراہ ہوجائے تو وہ بھی حرام ہے، جیسا ایک منافق کا واقعہ ہے کہ وہ جب امام ہوتا تو سوائے سورۂ عبس وتولیٰ کے اور کچھ نہ پڑھتا، اس لیے کہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب ہے، لہٰذا حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے مارنے کا قصد فرمایا اور اس کے اس فعل کو حرام سمجھا اس لیے کہ اس میں گمراہی تھی۔

گانے اور شعر میں جو گمراہی ہو وہ زیادہ مستحق تحریم ہے۔

اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی دلیل لاتے ہیں:

افمن ھذا الحدیث تعجبون و تضحکون ولا تبکون وانتم سامدون

''کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں حالانکہ تم غافل ہو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ غنا ہے ''بلغة الحمیر یعنی السامد''۔

ہم کہتے ہیں کہ ہنسنا اور نہ رونا بھی حرام ہونا چاہیے، اس لیے کہ آیت اس کو بھی شامل ہے اور جب اُس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں اور اسلام پر ہنسنے پر مخصوص ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی کفار کے اشعار اور گانے کے ساتھ مخصوص ہے جو مسلمانوں کی ہنسی اُڑانے کے لیے گاتے تھے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے: ''والشعراء یتبعھم الغاوون'' اور اس سے مراد شعراء کفار ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ شعرا کہنا فی نفسہ حرام ہے اور دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ میں نے گایا نہ تمنا کی اور نہ شرمگاہ کو سیدھے ہاتھ سے چھوا جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا تمنا کرنا اور شرمگاہ کو سیدھے ہاتھ سے چھونا حرام ہے اگر یہ چیزیں حرام ہیں تو گانا بھی حرام ہے۔ یہ بات کہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ سوا حرام کے اور کچھ ترک ہی نہ فرماتے تھے............اور دلیل لاتے ہیں کہ نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کہ میں ابن عمرؓ کے ہمراہ راستے میں تھا کہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز آئی ابنِ عمرؓ نے انگلیاں کانوں میں دے لیں اور راستے

سے ہٹ گئے اور مجھ سے پوچھتے رہے کہ آواز آتی ہے یا نہیں، جب میں نے کہا کہ اب نہیں آتی اس وقت انھوں نے انگلیاں کانوں سے نکالیں اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے......اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ کا کانوں میں انگلیاں دے لینا اس وجہ سے دلیل نہیں ہو سکتا کہ اُنھوں نے نافعؒ کو کان بند کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ اس کے سُننے سے روکا اور حضرت ابن عمرؓ کے کان بند کرنے کا سبب ظاہر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی فکر یا ذکر میں تھے جو بانسری کی آواز سے افضل تھا اور وہ آواز مخل ہوتی تھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا حالانکہ اُنھوں نے بھی حضرت ابن عمرؓ کو منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں اُس کا چھوڑنا اولی ہے بلکہ دنیا کی اکثر مباح چیزوں کا چھوڑنا جس وقت کہ وہ دل میں اثر کر جائیں بہتر ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر ابوجہم کا نذر کیا ہوا کرتا اتار ڈالا تھا اس لیے کہ اُس میں دھاریاں تھیں اور نماز میں حضورؐ کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی تھی۔ پس کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ دھاری دار کپڑا پہننا ناجائز ہے۔ پس شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت ایسی حالت میں ہوں کہ بانسری کی آواز مخل ہوتی ہو، جیسا کہ کپڑے کی دھاریاں نماز میں ہارج ہوئی تھیں۔"

(غزالیؒ)

اتنا عرض کر دینا بہت ضرورت ہے کہ جن حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گانا بجانا حرام ہے ان کی بابت محدثین نے کلام کیا ہے چنانچہ صاحب نغائم الاشواق فرماتے ہیں۔

ترجمہ: امام نووی (شارح مسلم) فرماتے ہیں کہ حرمتِ غنا کے باب میں کوئی حدیث درست نہیں ہے۔ امام سخاوی نے مقاصد الحسنہ میں فرمایا ہے کہ وہ حدیثیں جو زبانوں پر مشہور ہیں اور ان سے بعض فقہا نے یہ استدلال کیا ہے کہ گانا حرام ہے وہ ثابت الاصل نہیں ہیں اور گانے کی حرمت درست نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی حدیث نہیں ہے اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح ہوتی تو مجتہدین اس سے دلیل لاتے کوئی حدیث حرمت غنا کے بارے میں نہیں ہے، نہ صحیح، نہ حسن، نہ ضعیف اور جن حدیثوں کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے وہ ثابت نہیں ہیں اور موضوع ہیں۔ لہٰذا ان سے احکام ثابت نہیں ہو سکتے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور سوائے ان کے دیگر اصحابِ مذاہب نے ان حدیثوں سے تمسک نہیں کیا ہے، بلکہ یہ حدیثیں ان اماموں کے اُن متبعین کے کلام میں پائی جاتی ہیں، جن کے اوپر یہ اعتماد نہیں ہو سکتا کہ وہ صحیح و سقیم کو جانتے تھے۔ ابن عربی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ گانے کے حرام ہونے کے بارے میں کوئی حدیث ٹھیک نہیں ہے اور وہ حدیثیں جن سے فقہا نے تمسک کیا ہے سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر رحمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور بعض شافعیہ کا قول ہے کہ منکروں کی کتابوں کے سوائے اور کہیں تحریم غنا کے بارے میں کوئی حدیث نہیں پائی جاتی۔" (نغائم)

آدابِ سماع پر ایک نظر

میں نے اس رسالے میں گانے کے ظاہری پہلو پر نظر کی ہے یعنی شرعی حیثیت سے بحث کی ہے۔ صوفیہ صافیہ کا ایک فرقہ (خصوصاً حضرات چشت اہل بہشت ایسا بھی ہے، جو گانے کو سلوک میں مفید خیال کرتا ہے اور اس وقت چونکہ وہ تقرب الی اللہ کا سبب ہوتا ہے، طاعات وعبادات میں شامل ہو جاتا ہے۔

پس جن بزرگوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے اُنھوں نے گانے کی محفلوں کے لیے کچھ آداب بھی مقرر کیے ہیں۔

آداب، حلت وحرمت کے علاوہ ایک شے ہے یہ بات نہیں ہے کہ اگر وہ مقررہ آداب نہ پائے جائیں گے تو گانا سُننا حرام ہو جائے گا بلکہ مقصود یہ ہے کہ جن منافع کے لیے وہ محفل مرتب کی گئی تھی وہ منافع عموماً اُس سے مرتب نہ ہوں گے اور اس وقت ان کا یہ فعل عبث ہوگا جسے وہ اپنے خیال میں گناہ سمجھتے ہیں اس کا حلت وحرمت شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور بات بالکل ظاہر ہے مثلاً اُن کے آداب میں پاسِ زمان و مکان واخوان ہے۔

زمان سے مراد یہ ہے کہ نماز وغیرہ کا کوئی ایسا وقت نہ ہو جس میں کوئی ضروری کام انجام دینا ہو۔ اخوان سے مراد یہ ہے کہ اپنے ہم مذاق و ہم صحبت و ہم اعتقاد آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہو، مکان سے بھی یہی مراد ہے کہ شارع عام نہ ہو جہاں

اغیار داخل ہوسکیں۔

ان سب قیدوں سے مقصود صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جمعیت خاطر اور مذاق صحبت کو صدمہ نہ پہنچے۔ صوفیہ کے اوراشغال وتخیلات پر نظر ڈالنے کے علاوہ ظاہر ہے کہ اگر علما کی صحبت مخصوص میں ایک رندِ آزاد منش آجائے یا آزادوں کے جلسے میں کوئی مفتی صاحب تشریف لے آئیں تو مذاقِ صحبت کو نہایت صدمہ پہنچے گا اور خیال کی یکسوئی نو وارد پر ضرور مبذول ہوگی۔ نہ یہ کہ صوفیہ کی محفل میں اگر کوئی غیر صوفی چلا آئے تو شرعاً وہ محفل حرام ہوجائے گی ان کے آداب میں جس طرح یہ ہے کہ ایک رند فاسق فاجر شریک محفل نہ ہو اسی طرح یہ ہے کہ وہ عابد زاہد بھی شریک نہ ہو جسے ذوقِ سماع نہیں ہے۔

حضرت قبلہ وکعبہ جد امجد مولانا سید مظفر علی شاہ قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ جواہرِ غیبی میں مصباح الہدایہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''جائے سماع رہ گذر سے محفوظ ہونی چاہیے اور اُس میں متکبر بیہودہ گو اور زاہدان خشک نہاد بد اعتقاد پیر اور مصنوعی حال لانے والے نہ ہونے چاہئیں۔ اہل محفل کو دراز نو خاموش بیٹھنا چاہیے اور دل کو خدا کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے اور عطا و فیض کا منتظر رہنا چاہیے۔''

یہ آداب ان لوگوں کے واسطے ہیں جو گانا عبادت کی حیثیت سے سنتے ہیں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی گانا سُننے سے روحانی فوائد حاصل کرنا چاہے تو اسے ان آداب کی پابندی ضرور ہے نہ یہ کہ ان آداب کی پابندی کے بغیر گانا سننا جائز ہی نہیں۔ عبادت ہونے اور حلال ہونے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔''

وجد وحال

یہ مسلم ہے کہ گانا اور ہر اچھی آواز جذبات پر مؤثر ہے اُس سے متاثر ہونے اور تاثیر کے ظاہر ہونے کا نام وجد ہے۔ یہ تعریف میں نے اپنی عقل کے اعتبار سے کی ہے۔ صوفیہ اور حکما نے اس بارے میں مختلف خیال ظاہر کیے ہیں اور بہت کچھ کہا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہ حق کی طرف سے وارد ہے جو قلوب کو حق کی طرف کھینچتا ہے۔'' حضرت ابوالحسین دراج رحمۃ اللہ نے ہر اس کیفیت کو جو سماع میں پیدا ہو وجد کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

ابوسعیدؒ ابن الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ وجد رفع حجاب و مشاہدۃ الرقیب اور حضور فہم کا نام ہے۔ عمرؒ بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں کہ عبارت کیفیتِ وجد کو بیان ہی نہیں کرسکتی اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک راز ہے۔

بعض حکما کا قول ہے کہ دل کے اندر ایک ایسی شریف فضیلت ہے جس کو نطق بیان نہیں کرسکتا، نفس اس کو الحان سننے کے وقت ظاہر کرتا ہے اور اُس فضیلت کے ظاہر ہونے سے نفسِ ناطقہ کو انبساط و سرور حاصل ہوتا ہے۔ بعض حکما کا قول ہے کہ فکر جس طرح علم کو معلوم کی طرف کھینچتی ہے اسی طرح نغمہ قلب کو عالمِ روحانی کی طرف کھینچتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد اس حالت کو کہتے ہیں جو سماع سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ وارد جدید ہے حق تعالیٰ کی طرف سے جو سماع کے بعد وارد ہوتا ہے اور سُننے والا اس کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ یہ حالت دو طرح کی ہوتی ہے یا مشاہدات و مکاشفات کی طرف راجع ہوتی ہے جو از قبیلِ علوم و معارف ہے اور یا تغیرات و احوال کی طرف، علوم سے متعلق نہیں بلکہ جیسے شوق، خوف، قلق، سرور، بیخودی، بسط، سکر وغیرہ یہ حالت گانے سے پیدا ہوتی ہے یا ندیادہ ہوتی ہے اگر ظاہر میں خلاف عادت حرکات ظاہر نہ ہوں تو اُسے وجد نہیں کہتے۔" (غزالی)

حضرت خواجہ شیخ کبیر فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سماع میں بے ہوشی کا کیا سبب ہے فرمایا کہ جب روحوں نے روز میثاق ندائے الست بربکم سُنی تو سب بیہوش ہو گئیں۔ اب جس وقت اہلِ سماع نام دوست صفتِ دوست کے ساتھ سنتے ہیں تو اضطراب و ذوق و بے ہوشی ان میں پیدا ہو جاتی ہے یہ روز میثاق کی اُس بے ہوشی کا اثر ہے اور نشانِ معرفت ہے، جس نے یومِ میثاق اُس کلام کی لذت اُٹھائی تھی اس عالم میں بھی نغمے کی آواز سے اُس کو یاد کر کے مست اور وصال و مشاہدۂ محبوب حقیقی کے ذوق و شوق میں مضطرب ہو جاتا ہے جس نے اُس عالم میں لذت نہیں اُٹھائی تھی اس عالم میں بھی بے بہرہ ہے۔

کتاب مستطاب جواہر غیبی مؤلفہ جدِ امجد سید مظفر علی شاہ قادری چشتی علیہ الرحمۃ میں ہے۔

ترجمہ: "منشائے وجد سماع میں یا تو مجرد نغماتِ طیبہ اور اصوات متناسبہ ہیں اور ان سے لذت حاصل کرنا روح کا حصہ ہے اور یا ان نغمات اور آوازوں کے ساتھ

اشعار و معانی کا مجموعہ'' ان سے لذت حاصل کرنے میں اہل حقیقت کے لیے روح اور قلب مشترک ہیں اور اہل باطل کے لیے روح اور نفس مشترک ہیں، مگر وہ مجرد نغمات جن سے روح متلذذ ہوتی ہے اس میں بھی قلب و زدیدہ لذت لیتا ہے حقِ محق میں اور نفس حقِ مبطل میں۔''

لٰہذا وجد ایک وہ جذبۂ انفعال ہے جو انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ اس لیے اس کے جواز و عدمِ جواز سے بحث نہیں ہو سکتی احکامِ شرائع و قوانین اختیار پر ناقد ہوتے ہیں۔ امام غزالی اور صاحبِ نغائم الاشواق نے ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں سے حضرت علی علیہ السلام و حضرتِ زید و حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ میں سے حضرت معروف کرخی و جنید و شبلی و غوث اعظم حضرتِ محبوب سبحانی اور اکثر خواجگانِ چشت وغیرہم پر ایسے حالات طاری ہوئے ہیں اور ان کا سماع و وجد ثابت ہے، مگر میں اس بیان کی ضرورت نہیں سمجھتا، جو لوگ اہل وجد پر اعتراض کرتے ہیں ان کا ہنسنا ایسا ہے جیسا جہلا کا اہل علم پر اور اہلِ عقل کا اہلِ عشق پر ہنسنا۔ اس لیے کہ ان میں وہ جذبات اور قوی کالعدم ہیں اور وہ اس لذت سے ناواقف اور معذور ہیں۔

اتنا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ کی اُچھل کود فی الواقع ہنسنے کے لائق ہے اور فطرتاً ہنسی آتی ہے جیسا کہ آج کل رواج ہے اگرچہ ہنسنا نہیں چاہیے، اس لیے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

مگر اہل دل حضرات کے علاوہ خوش اعتقاد عقل سلیم والے بھی سمجھ لیتے ہیں کہ

اس حال درد و سوز و جذبات و حرکاتِ غیر اختیاری ہیں یا تصنع اور تکلف ہے۔ ایسا حال لانے والے بزرگوں کی بابت صاحب نغائم الاشواق فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: ''اگر کسی نے ان باتوں کو اپنا پیشہ بنالیا ہو اور خود اُٹھتا ہو اور خود گرتا ہو تو اس کو نہ سنبھالنا چاہیے اور اگر دیکھیں کہ زور کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف دیتا ہے تو اُس کو محفل سے نکال دینا چاہیے............ وجد میں ایک دوسرے کی تواضع کرنا حالتِ سماع سے نہیں ہے بلکہ اس سے خارج ہے۔ بعض صوفی حال میں ایک دوسرے کے پاؤں پر گرتے ہیں اور یک دوسرے کا ہاتھ اور دامن پکڑتے ہیں، اس لیے کہ اس کو بھی بغیر حال کے وجد میں لے آئیں اور اس کو ایثار کہتے ہیں۔ ایثار کجا یہ لوگ وجد میں بھی مشغول نہیں ہوتے۔ ان حرکتوں سے وقت ضائع کرتے ہیں، جو شخص کہ دوسرے کے اشارے سے حال لانے لگے وہ مقلد ہے (بلکہ نقال) .... اور اگر کوئی حال لانے والا اس طرح دھکا دے کہ دوسرے کو تکلیف پہنچے تو یقیناً جان لینا چاہیے کہ وہ حال لانے والا حال میں نہیں ہے اور نا اہل ہے۔

قدیم سے سنت مشائخ ہے کہ صاحبِ حال کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے ہیں (امام غزالیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے) (میکشؔ عفی عنہ) جو بیٹھا رہے وہ شقی اور منافق ہے۔ غیرت اولیا سے شامتِ عظیم میں گرفتار ہوگا (مگر ایسے حال لانے والوں کی تعظیم کا کیا حکم ہے، جو اس وقت تک خرامِ ناز فرمایا کریں جب تک ان کی تھکن جو دو زانو بیٹھنے سے ہو جاتی ہے دور نہ ہو جائے۔ میکشؔ عفی عنہ) بجز اس کے کہ کسی شعر پر ذوق ہو اپنے اختیار سے ہرگز کھڑا نہ ہونا چاہیے اور تحمل کرنا چاہیے، مگر جب کہ حال اور وقت کا تصرف غالب آجائے اور بے اختیار ہو جائے۔ جب حال غالب ہو جائے تو وقت اور

جوش کی مقدار کے موافق حرکت کرنی چاہیے اور جب حال جاتا رہے تو تکلف و تصنع سے کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے اور بیٹھ جانا چاہیے اس وقت اگر ایک قدم بھی بغیر ذوق کے اُٹھائے گا تو آسمان سے ایسی بلا اُترے گی جو اس دیار کی ہلاکی کا سبب ہوگی۔" (نغائم)

مگر جھوٹے حال کی شناخت یہ نہیں ہے کہ ایک بے پڑھے لکھے کو عربی فارسی اشعار پر وجد ہو اس لیے کہ بہت سی کیفیات اور تاثیرات گانے میں ایسی بھی ہیں جو الفاظ و مضامین سے ارفع اور اعلیٰ ہیں اور اُن کا تعلق مجرد نغمات سے ہے، نہ مضامین و اشعار سے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وجد ایک امر وہبی ہے نہ کسبی۔ الفاظ کے فہم میں بھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور سُننے والا اپنے مذاقِ طبع اور حال کے مناسب مطالب اور معانی اخذ کر لیتا ہے۔ احیاء علوم میں ہے:

ان العجمی قد یغلب علیه الوجد علی الابیات المنظومة بلغة العرب فان بعض حروفها یوازن الحروف العجمیة۔ (غزالی)	"کبھی عجمی کو اہل عرب کے اشعار پر وجد ہوتا ہے۔ اس سبب سے کہ بعض عربی لفظ عجمی لفظوں کی طرح ہوتے ہیں۔" (غزالیؒ)

اسی طرح بعض عربی پڑھے اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید پر کیفیت کیوں نہیں ہوتی گانے کی تخصیص کیوں ہے۔

امام غزالیؒ نے اس کے چھ جواب دیے ہیں۔ اسی طرح اور مصنفین نے بھی مگر میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ اول تو قرآن مجید کی زبان سمجھنے سے اور جو زبان سمجھتے ہیں

وہ مضامین سمجھنے سے اکثر قاصر ہیں، دوسرے قرآنِ مجید میں عموماً قصص احکام ترغیب وترہیب کے مضامین ہیں۔ایک وہ عاشق مزاج جس کے مناسب حال کیفیات حزن وشوق،فراق وسوز وگداز ہیں، ان آیات سے اس کے جذبات میں کس طرح اشتعال پیدا ہوسکتا ہے۔بخلاف اس کے اشعار کہ وہ محض جذبات کی ترجمانی کا نام ہے۔اس کے علاوہ گانے میں اشعار اور اشعار میں وزن ''لے''، ''ساز'' یہ ایسی چیزیں ہیں جو تناسب اور موزونیت کے لحاظ سے جادو ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی خوش الحان قاری قرآن پڑھتا ہے تو بہ نسبت دوسرے کے پڑھنے کے بہت زیادہ اثر ہوتا ہے یہ اس کی صاف مثال ہے کہ مضمون کے علاوہ خوش آوازی اور موزونیت کو وجد میں بہت کچھ دخل ہے۔شاید اسی لیے حضورؐ نے فرمایا ہے: ''لیس منا من لم یتغن بالقرآن '' (جو قرآن کو ترنم سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔''وحسنوا القرآن باصواتکم '' (قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو) میں یہ عرض نہیں کرتا کہ قرآن کے مضمون پر کیفیت نہیں ہوتی یا نہیں ہوسکتی بلکہ ہوتی ہے، مگر ان اہلِ حال کو جو حقائق قرآنی کے ماہر ہیں وہ ان معانی کا ادراک کرتے ہیں، جن کی متحمل عبارت ظاہر نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ تو اشعار سے کچھ زیادہ پرسوز مطالب کا استخراج کرتے ہیں اور حظ اٹھاتے ہیں، مگر یہ الشاذ کالمعدوم کے حکم میں ہیں، اس لیے بحث میں نہیں آسکتے نہ کلیہ میں شامل ہوسکتے ہیں، بلکہ مستثنیٰ ہیں۔

ہے یہ کہ ہر مضمون کا تعلق مخصوص کیفیات سے ہے اور ہر جذبے کا ظہور اور انتہا اس جذبے کے قوت وضعف کے بقدر ہے، پس جو کیفیات کہ مضامینِ فراق ووصال سے پیدا ہوتی ہیں وہ احکامِ نماز وزکوٰۃ سے پیدا نہیں ہوسکتیں۔مدرسۂ عقل وخراباتِ

عشق برابر نہیں ہوسکتے۔

اب میں عذرِ تقصیر میں فطرت کے مقدس قدموں پر منفعل جبینِ نیاز رکھتا ہوں، جس کے معصوم نغموں کی آغوش میں انسان پرورش ہوا ہے "کل مولود یولد علی الفطرۃ۔"

اے مجسمۂ عصمت! مجھے اپنے اُسی معصوم نغمے میں گم کردے جس سے میری نمود ہوئی تھی۔

میں پاکبازِ الفت دیوانہ فنا ہوں
مٹنا ہی چاہتا تھا مٹنا ہی چاہتا ہوں

(میکشؔ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
اللھم صلی وسلم وبارک علی محمد وآلہ وأھلبیتہ وأصحابہ
وأولیاء أمتہ الی مرشدنا أجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد علی میکشؔ عفی عنہ

آگرہ، میوہ کٹرہ
۲۶/ جولائی ۱۹۲۴ء مطابق ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ
(شب یکشنبہ)